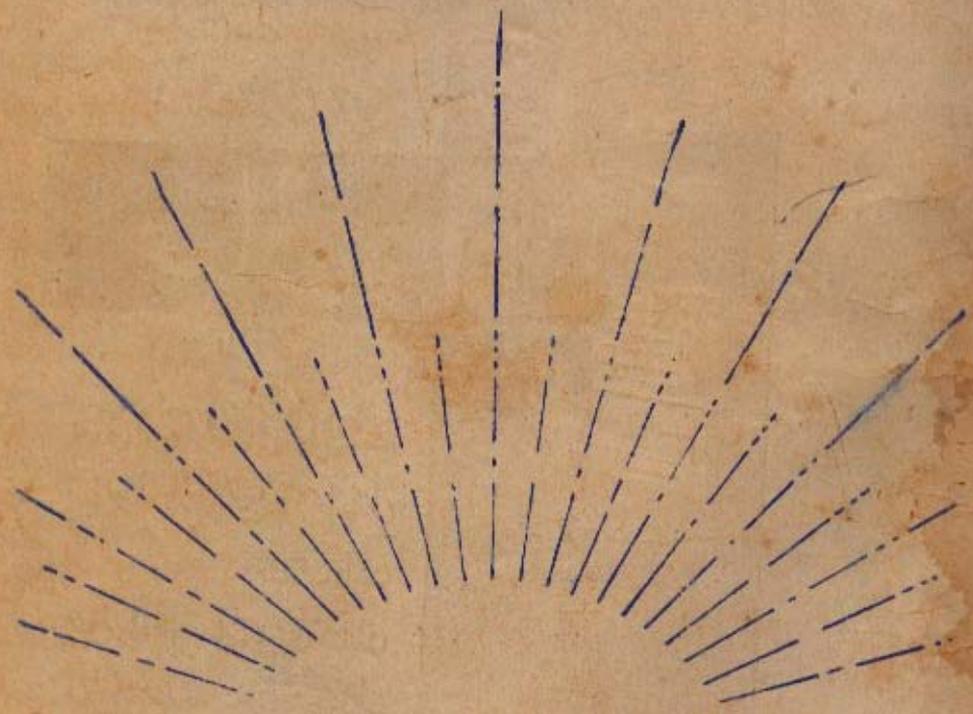


ماہنامہ **تذکرہ** دیوبند



ایڈیٹر: عام عثمانی (فاضل دیوبند)

Annual Rs 7.

62 nP.

موسم کی
تبدیلی کے
دنوں میں



صانی

استعمال کیجیے

صانی آپ کو خون کی خرابی سے
پیدا ہونے والی بیماریوں سے بچائے گی
اور آپ کے نظامِ عصبی میں توازن
پیدا کر کے آپ کے جسم میں تازہ خون
کی لہر دوڑا دے گی۔ معدہ کے فعل
کو درست کرے گی اور جسم کو چست
اور چھرتیلا بنائے گی۔

دہلی - کانپور - پٹنہ

GAY 1/1567

ضمیمہ اعلیٰ

ناگزیر وجہ کی بنا پر۔۔۔۔۔ جن میں بڑی وجہ مدیر تحسینی کی عیال کی حالت تھی یہ شمارہ آپ کے ہاتھوں میں کافی تاخیر سے پہنچ رہا ہے۔ جناب مدیر کی صحت اب اگرچہ پہلے سے بہتر ہے، لیکن اگلے شماروں کو ٹھیک وقت پر لانے کے لئے اس کے سوا کوئی صورت نہیں رہی ہے کہ دو ماہ کا شمارہ ایک ساتھ شائع کیا جائے۔ چنانچہ قارئین کے احساسات کا پورا اندازہ رکھنے کے باوجود ہم اپنے آپ کو اس اعزاز پر مجبور پاتے ہیں کہ اگلا اپریل کا پرچہ، اپریل میں شائع نہیں ہو سکے گا، بلکہ اپریل اور مئی کا مشترکہ نمبر انشاء اللہ یکم مئی کو اشاعت پذیر ہوگا۔

سال میں ایک دو مشترک شماروں کے اگرچہ قارئین تجلّی مادی ہو چکے ہیں، اور ہمیں یہ بھی احساس ہے کہ یہ زبردستی کی عادت ان پر شاق ہی گذرتی ہے لیکن اس کی یقیناً بدیت بہر حال نظر انداز نہیں کی جا سکتی کہ جب کبھی معذرتوں کے تحت کسی اشاعت میں تاخیر واقع ہو جاتی ہے تو اس طریقہ پر اس کا ازالہ بھی ہو جاتا ہے، درتہ ایسا نہ کیا جائے تو مہینوں تک ہر شمارہ کچھ نہ کچھ لیٹ ہوتا رہے۔ ہر جیسے کی غلطی اور کاوش انتظار سے کہیں بہتر ہے کہ کسی ایک ماہ ڈٹ کر صبر کر لیا جائے۔

یہ بہر حال ہمیں امید ہے کہ جس طرح پچھلا ہر مشترکہ شمارہ اپنی افادیت، دلکشی اور جاذبیت کے باعث ایک ہی تقطیل کا نعم البدل ثابت ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح انشاء اللہ اب کی بھی قارئین کو مایوسی نہیں ہوگی۔
 علمین و محبین سے درخواست ہے کہ وہ مدیر تجلّی کی صحت عاجلہ کے لئے دعا فرمائیں اور اس گرانہی خاطر کے لئے ادارے کو معاف فرمائیں جس کی ذمہ داری بلاشبہ ادارے ہی پر عائد ہوتی ہے۔

وہاذا التوفیق وهو المستعان۔۔۔۔۔ الملتزم
 منیر تجلی

رمضان المبارک!

جب آپ روزے رکھتے ہیں

روزہ ایک ایسا عظیم عمل ہے جو آپ کے ذہن، جسم اور روح کو پاکیزگی اور تازگی بخش کے اور میری زندگی کا نیا احساس عطا کرتا ہے۔
 سحری کے وقت آپ توت بخوش منگارا استعمال کیجیے منگارا کہ استعمال سے آپ تمام روزہ کی تھکاوٹ پیاس اور عام تھکات سے محفوظ رہیں گے غروب کے آگے وقت جب آپ کا تمام خاندان اظہار کے لیے صبح ہو اس وقت بھی منگارا استعمال کیجیے جو بڑی خوشبودار مشروب سے تیار کیا جاتا ہے اور آپ کو روزہ کی دن بھر کی دلدلی سے نجات دلا کر نئی توانائی اور قوت بخشتا ہے۔

منگارا ہر روز استعمال کیجیے
 منگارا دن میں دو بار استعمال کیجیے

دہلی • کانپور • پٹنہ



روح افزا قدرتی اجزائی روح سے تیار کیا ہوا مشروب

قدرت کی طرف سے انسان کو عطا کیے ہوئے انہیں اجزاء سے کثیر کردہ ایک شکرکٹ کا نام روح افزا ہے
 ان قدرتی اجزائیوں سے ہر ایک جزو، جیسے کاسنی، دھنیا، خرفہ، ترلوز،
 سترے کانس ادا انگور وغیرہ جسم اور دماغ کو تازگی دینے کے لیے مشہور ہیں۔

ہر روز

روح افزا استعمال کیجیے

جو خاص طور پر موسم گرما میں آپ کے نظام جسم کو تازگی اور شکرکٹ بخشتا ہے

پٹنہ، دہلی، کانپور، پٹنہ





ہر آنگریزی ہینے کے پہلے ہفتے میں شائع ہوتا ہے
 سالانہ قیمت سات روپے۔ فی پرچہ دس آنے
 غیر مالک کے سالانہ قیمت ۸ اشٹنگ شکل پوسٹل آرڈر
 (پوسٹل آرڈر پر کچھ نہ لکھئے بالکل سادہ بھیجئے)

فہرست مضامین بابت ماہ مارچ ۱۹۶۲ء

۶	شمس نوید عثمانی	آغا نرسرخ	۱
۱۱	عامر عثمانی	تعمیر الحدیث	۲
۱۵	شمس نوید عثمانی	ماہ صیام پر نگاہ واپس	۳
۱۹	عامر عثمانی	تجلی کی ڈاک	۴
۳۱	شمس نوید عثمانی	کیا ہم مسلمان ہیں؟	۵
۳۵	عارف سیال کوٹی	مفتاح صراط	۶
۳۸	ملا واحدی	مسلمانوں کا تیسرا ایکشن	۷
۴۱	دما خذ	اصحاب رسول	۸
۴۳	ملا ابن العتیرگی	مسجد سے بچانے تک	۹
۵۲	مولانا عبد الرؤف رحمانی	جہاں سلام کا فرما تھا	۱۰
۶۲	شمس نوید عثمانی	کھرے کھوٹے	۱۱

اشرف ضروری

اگر اس دائرے میں سرخ نشان ہے تو سمجھ لیجئے کہ اس پرچہ پر آپ کی خریداری ختم ہے یا تو منی آرڈر سے سالانہ قیمت بھیجیں یا وہ پی کی اجازت دیں۔ اگر آئندہ خریداری جاری نہ رکھنی ہو تب بھی اطلاع دیں۔ خاموشی کی صورت میں اگلا پرچہ دی پی سے بھیجا جائے وصول کرنا آپ کا اخلاقی فرض ہوگا۔ دی پی سات روپے یا سٹھ تے پیسے کا ہونگا، منی آرڈر بھیج کر آپ دی پی شرح سے بچ جائیں گے۔ پاکستانی حضرات: ہمارے پاکستانی پتہ پر چندہ بھیج کر رسید منی آرڈر اور اپنا نام و مکمل پتہ بھیجیں۔ رسالہ جاری کر دیا جائے گا۔



پاکستان حضرات: مکتبہ عثمانیہ ۲۲۸۰ مینا بازار
 پیر الہی بخشش کالونی۔ کراچی (پاکستان)

ترسیل زرہ اور خط و کتابت کا پتہ
 دفتر تجلی دیوبند ضلع سہارنپور (دیوبند)

عامر عثمانی پرنٹری پبلشر نے "نیشنل پرنٹنگ پریس دیوبند" سے چھپوا کر اپنے دفتر تجلی دیوبند سے شائع کیا۔

آغازِ سخن

مضامین پیش کر کے اپنی اس انفرادیت کو ہمیشہ قائم رکھتا ہے اور یہی باعث تھا کہ مولانا موصوف نے بھرتی کا ادارہ بھاگ دوڑ میں لکھانے سے بجائے یہ پسند کیا کہ بیماری اور تقاضا سے جنگ کر کے ذہنی انتشار میں کچھ لکھنے کے بجائے کچھ لکھیر میں خوب محسوس کر رہا ہوں کہ ان تمہیدی نکلمات سے گزرتے ہوئے تجلی کے سیکڑوں ناظرین چھٹی سے کیا سوچ رہے ہیں! غالباً ان کے دل و دماغ کی سطح پر ابھرا ہوا پہلا سوال یہ ہو گا کہ آغازِ سخن کے صفحات میں وہ مولانا عامر عثمانی سے کب ملاقات کر سکیں گے؟ آپ کو اس باب میں متوجش ہونے کی ضرورت نہیں۔ انشاء اللہ اگلے ماہ کا تجلی مدیر تجلی کے دماغ و قلم کا "اداریہ" پیش کرے گا۔

مولانا کی علالت کا زور ڈٹ چکے اور خدا کے فضل سے یہ قوی توقع ہے کہ اگلے ماہ کا آغازِ سخن لکھنے کے وقت تک بیماری کے بقیہ اثرات اور کمزوری کی یہ گرفت بھی ختم ہو چکی ہوگی اور مولانا موصوف جو اپنے ناظرین کی گہری محبت اور خلیص کیشی کا پورا احساس رکھتے ہیں اور اس کو خدا کی عظیم نعمت تصور کرتے ہیں "شکر نعمت" کا عملی موقعہ پاسکیں گے۔

"تجلی" کی تقریباً تیرہ سالہ تاریخ میں یہ بات ایک "حادثہ" سے کم نہیں کہ اس کا "آغازِ سخن" مدیر تجلی مولانا عامر عثمانی کے بجائے کوئی اور لکھنے بیٹھا ہے۔ نومبر ۱۹۷۷ء سے لے کر آج تک ادارہ کے صفحات ہمیشہ اس کے مدیر کے مضمون تسلیم رہے ہیں۔ لیکن اس بار مدیر تجلی کے حکم پر مارج سلتیہ کے ادارہ کو سپرد قلم کرنے کا فرض مجھے ادا کرنا پڑ رہا ہے۔ اس کا باعث کیا ہوا؟ اس کا اندازہ تجلی کے اکثر و بیشتر ناظرین فروری سلتیہ کے آغازِ سخن سے کی نشانی میں خود بھی کر سکتے ہیں۔ جس میں مولانا عامر عثمانی نے غیر معمولی مصروفیات کے ساتھ ساتھ اپنی علالت کا تذکرہ نہ کیا تھا۔ یہ علالت کسی نہ کسی شکل میں آج تک جاری ہے اور اب جب کہ رسالے کی تاریخ اشاعت بالکل سسر پر آگئی ہے یہ ضروری ہوا کہ "آغازِ سخن" مرتب ہو جائے۔ میری خواہش تو آپ سب کی طرح یہی تھی کہ مولانا موصوف خود ہی ادارہ کو قلم بند کریں یا کم سے کم اٹاکر ادیں۔ لیکن کسی بھی صورت میں "خانہ کبریٰ" مولانا کو بھی گوارا نہیں ہوتی۔ حضور قلب اور حقیقی دلچسپی کی پوری زندگی کے ساتھ وہ رسالے کے تمام صفحات کو منتخب مواد سے زینت دینے کے جوگر رہے ہیں۔ تجلی کی طویل زندگی کا ہر ماہنامہ "گواہ ہے کہ اگر معیاری اور پسندیدہ مواد باہر سے فراہم نہ ہونے کا تو انھوں نے پورا کا پورا رسالہ اپنے قلم سے لکھا ہے۔ لیکن یہ بھی نہیں ہوا کہ مشقت و کاوش کی خشک اور عرق ریز آواز کو چھوڑ کر وہ غیر معیاری مضامین سے مصداحت برآمد ہو گئے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ تجلی نے طبع زاد اور غیر منطبق

تجلی کے ناظرین اور مدیر تجلی کے درمیان قلبی تعلق کے احساس نے مجھے اس عظیم حقیقت کی طرف متوجہ کرنے کا موقع دیا ہے کہ المحبتِ دلدادہ کیا چیز ہے! یقیناً اس ماہی تعلق کی بنیاد دنیا کے کسی رشتے پر نہیں۔ خاندانی تعلق گوشت پوست کے بندھن، مفادات کا ربط و ضبط

باوجود تعلق کی کوئی ظاہری بنیاد موجود نہ ہو نیکی باوجود ایک گہرا عین اور بے لوث تعلق پوری خدمت کے ساتھ موجود ہے۔ اس تعلق کی بنیاد سوائے اس کے اور کیا ہے کہ انسان کی روح "سجائی" اور اعلیٰ کلمہ الحق سے والہانہ محبت رکھتی ہے۔ یہ "حق" کی موجودگی کا مقناطیسی احساس سیکڑوں ہزاروں میل کے فاصلوں کو طے کرتا ہوا ظاہری اجنبیت و بیگانگی کی تمام حدیں توڑتا ہوا ایک ایسے لطیف تعلق خاطر کی بلندیوں تک جا پہنچتا ہے جہاں ہر دو انسان صرف اس لئے ایک دوسرے کو سینے سے لگا لیتے ہیں کہ وہ دونوں ایک خدا کے عبادی ہیں اور ایک رسول کے غلام ہیں۔ ایک قرآن کالا ہوتی نغمہ ان کے دلوں کی دھڑکنوں سے پھوٹ رہا ہے اور ایک "اسلام" کے لفظ حسیں میں ان دونوں کا وجود کم ہو چکا ہے۔

یہ لاپہیت کا تعلق — یہ خدا کے لئے محبت کا مقدس انداز جس حد تک بھی کسی جگہ موجود ہے ایک ایسی قیمتی شے ہے جس کی قیمت کا اندازہ کرنا آسان نہیں۔ آج جب کہ انسان کی محبت اور نفرت کے جذبات نفس اور مفاد پرستی کے غلیظ ڈگر پر چکر رہے ہیں آج جب کہ دو حقیقی بھائی ایک دوسرے کو اس وقت تک سینے سے لگانے کے لئے تیار نہیں جب تک اس ہم آغوشی کے نتیجے میں ذاتی مفادات کو تقویت پہنچنے کا کوئی پہلو نہ نکل آئے۔ آج جبکہ خود غرضی اور خود کامی نے خودی تعلق کی شہ رگیں کاٹ کر رکھ دی ہیں۔ ایسی ہولناک اور تاریک دنیا میں اگر کسی جگہ بھی الٰہیت و خدا کا کوئی منظر نظر آتا ہے تو کیا یہ کوئی معمولی بات ہے؟ — نہیں۔ خدا کی قسم — نہیں!!

درحقیقت ہماری تمام تر نگوں ساری اور ذوال رسیدگی کا اصلی سبب اور ہمارے اندوہناک اشتداد پر اگندگی کا بنیادی باعث یہی اور صرف یہی حقیقت

محبت و نفرت کے جذبات کا مرکز اب "لاپہیت" کے سوا ہر چیز ہے۔ ہر وہ نقصان ہمیں سرسبز کر سکتا ہے جس سے ہماری ذاتی خود غرضانہ مفادات کو ہلکی سے ہلکی چوڑ پہنچ سکتی ہو۔ ہر وہ منفعت کا پہلو ہمارے جذبات کو اپیل کر سکتا ہے جس سے ہماری اپنی پسندیدگی اور تمنا کا کوئی بعد سے بعد حلا قدم ہو۔ ہر وہ چیز ہمیں شعل کر سکتی ہے جس سے ہمارے نفس کے وقار کو دھکا لگ رہا ہو۔ ہر وہ عمل ہمارے دل میں مسرت کی گدگدی پیدا کر سکتا ہے جس سے ہمارے پندار کو تسکین ملتی ہو۔ لیکن ہماری آنکھوں کے سامنے "اسلام" کی نیم جہاں نفس تڑپ رہی ہو تو ہم اس طرح خاموشی سے دیکھتے ہوئے گذر جاتے ہیں جیسے ہماری رگوں میں زندگی کی کوئی رتن ہی موجود نہیں۔ حلقہ اجاب میں بیٹھ کر ہم روتی محفل و لطف اندوز ہو سکتے ہیں، مگر مسجد کی محراب کے نیچے دیران معبد کے دروازے کو ماتم میں ڈوبا ہوا دیکھ کر ہمارے ہونٹوں سے کراہ نہیں نکلتی! ایک باپ ایک سعادت کے لئے یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی اولاد اس کے مشار کے خلاف کوئی حرکت کر سکے۔ گستاخی کی ایک اچھٹی ہوئی سی نظر بھی نظر انداز نہیں کی جاسکتی۔ بے ادبی کا ایک ہلکا سا "آف" بھی احساسات کو پھیرے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن یہی باپ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے کہ اس کی اولاد اس کے "خدا" کے احکام کو قدموں تلے روند رہی ہے اور اس کے رسول کے فرماؤں کا مذاق اڑا رہی ہے، لیکن یہ حادثہ "اس کے جذبات نفرت و محبت میں کوئی قیامت برپا نہیں کرتا!

ایک دوست دوسرے دوست کی موت پر اور ایک عزیز دوسرے عزیز کی جانگنی پر آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن ہم دن رات یہ ہولناک خبریں سنتے ہیں کہ مسلمان مسلمان کیوٹسٹ ہو کر دینی موت مر گیا اور فلاں مقام پر کفر و شرک کی دبانے ہزاروں مسلمانوں کے ایمان و یقین کی جان نکال کر رکھ دی، مگر یہ خبریں اور یہ مشاہدے ہماری غیرت ملی اور ایمانی جذبات میں کوئی سنسنی، کوئی کھلبلی

کرنے کے لئے ظلمتوں کی آندھیاں اٹھا رہے ہیں۔ کیسے
 کیسے خطرات ہیں جو حق کو تباہ کرنے کے لئے ہر انوکھے
 نمودار ہو رہے ہیں۔ کہیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی
 سنت سے بغاوت ہو رہی ہے۔ کہیں خدا کی کتاب کے
 معنی و مفہوم میں مسخ و تحریف کی ہم جلائی جا رہی ہے۔ کہیں
 توحید کو فنا کرنے کے لئے "قبوری شریعت" کے اہرام
 تعمیر ہو رہے ہیں۔ کہیں معصوم بچوں کی نسل کو کفر و ترک
 کالڈیڈ ہر بلا یا جا رہا ہے اور کہیں مذہب کا قلع مع کر نیکے
 لئے لامذہبیت اور دہریت کا مہر خ غفرت اپنے خوں نام
 جوڑے تیز کر رہا ہے۔

لیکن اتنی بڑھ چڑھ دنیا میں ہم درات بھریاؤں پیار
 کر بیٹھی بندھ سوتے ہیں! اور تمام دن دنیا سے فانی کی
 بے اعتبار جن روزہ زندگی کی اُدھیڑ میں اس طرح
 گم رہتے ہیں کہ "الحب لله" اور "البعض لله" کے جذبات
 کو ہائے وجود میں سراٹھانے کا بلکے سے ہلکا موقع نہیں
 ملتا۔ وہی انسان جو دنیا کے نام پر محبت و نفرت کے
 پوسے جذبات کے ساتھ مینا جاگتا، بھاگتا دوڑتا اور
 ہنستا روتا ہوا نظر آتا ہے۔ "دین" کا نام سنتے ہی سطح
 ہاتھ پاؤں چھوڑ کر آنکھیں بند کر لیتا اور سانس روک
 لیتا ہے جیسے اس کی رگوں میں زندگی کا دوڑتا ہوا خون
 اچانک رک گیا ہے اور جیسے وہ ایک ٹھنڈی سیلے جس
 جاندار لاش کے سوا کچھ بھی نہیں!

یہ ہیرو صورت حال یقیناً جوصلہ شکن ہے۔ لیکن
 جتنی جوصلہ شکن اور روح فرس ہے اسی قدر حیات انگیز اور
 مفید بھی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کہ یہ جس قدر شدید اور
 جس قدر لہر زہ خیز ہوگی اتنی ہی شدت اور بے رحمی سے
 ہمارے مٹھڑے ہوتے احساسات اور رنگ آلود جذبات
 کو چونکا کے گی۔ چھوڑ ڈالے گی۔ ہاں یہ ہمیں پوری قوت سے
 چھوڑ رہی ہے کہ ہوشیار! تمہارے اندر زندگی کے
 سوتے خشک ہو رہے ہیں۔ تمہارے محبت و نفرت کے دو

جا رہے ہیں۔ تمہارے اندر وہ دینی جس دھیرے دھیرے
 دم توڑ رہی ہے جس کا دوسرا حسین نام ہی الحب لله
 اور البعض لله ہے۔

تازہ عشاء کے آخری موڑ پر جب بندہ اپنے خدا
 سے اگلے دن کی پوچھنے تک کے لئے رخصت ہو کر نیند کی
 موت آسا کیفیت میں گم ہونے سے پہلے اپنے مولا سے یہ
 عہد و پیمان کرتا ہے کہ "تیرے نافرمانوں سے میں ترک
 تعلق کرتا ہوں" تو وہ اسی عظیم حقیقت کا عہد کر رہا ہوتا
 ہے کہ اس کی محبت و نفرت، تعلق و لاتعلق، دلچسپی اور
 سردہری کی بنیاد لٹھیت اور صرف لٹھیت ہوگی۔ وہ
 اس سے جوڑے گا جو اس کے خدا سے مجرا اہوا ہو گا۔
 وہ اس سے کٹ جائے گا جس نے اس کے مولا۔ اسکے حقیقی
 اور عظیم ترین محسن سے اپنا تعلق ختم کر کے ارباب من و اللہ
 کے ساتھ محبت و دوستی کی گستاخانہ جہارت کی ہوگی۔ یہ
 تعلق و لاتعلق کا عہد صرف خارجی دنیا کے سلسلے میں ہی
 نہیں وہ خود اپنے وجود کی داخلی دنیا کے باب میں بھی کرتا
 ہے۔ یعنی وہ خود اپنے جسم و روح کے صرف ان میلانات کو
 اپنائے گا جن میں اس کے خدا کے تعلق کی حسین نسبت
 کا فرما ہوگی اور ان تمام داعیوں، ان تمام خواہشات
 اور تمناؤں سے یکسخت قطع تعلق کرے گا جو اس کو اسکے
 معبود کی راہ سے ہٹا کر کسی دوسری سمت میں کشاں کشاں
 لے جانا چاہتی ہوں۔ وہ دوسروں ہی کے ساتھ نہیں
 خود اپنی ذات سے بھی خدا ہی کے لئے محبت کرے گا اور
 خدا ہی کے لئے نفرت کرے گا۔ اس کے لئے محبت و نفرت
 کے معیار اس کی لذت کش نفسانیت اور خود کامی کے
 ہاتھوں نہ بنیں گے، بلکہ اس کے جذبات محبت و نفرت
 کا محور اس کے اپنے من اور اپنے دل کے بجائے اسکے
 خدا کی ذات ہوگی۔ یہ ہے وہ عہد جو ہم لوگ روز ازل
 اپنے خدا سے اس وقت کر رہے تھے جب اس نے ہماری
 ارواح کو اپنے حضور بار یا بار فرما کر الست بریکم

دیکھا میں تمہارا پروردگار نہیں؟ کے الفاظ سے خطاب کیا تھا۔ اور ہم سب نے بیک زبان دیکھ جنبش دل یہ نعرہ شوق بلند کیا تھا کہ "جی! رہاں کیوں نہیں؟" — بیشک تو یہی ہمارا پالنہار ہے۔ تو یہی ہمارا معبود اور خالق ہے۔ تو یہی ہمارے جذبات محبت و نفرت کا ایک اور لیگانہ ٹھوس ہے۔ اور یہی وہ عہد ہے جس کا اعادہ ہم روزانہ عشاء کی نماز میں دعائے قنوت کے ان الفاظ کے ساتھ کرتے ہیں کہ "نخلع و نترک من یغیرک" — لیکن ہم میں سے کتنے ایسے راست باز ہیں جو خدا سے یہ عہد کرنے کے ساتھ ساتھ زندگی کے نشیب و فراز پر اسی عہد کی عملی صورت گری کا کام کرتے ہوئے گزرتے ہیں گئے۔ کتنے ایسے ہیں جو زبان سے جو کچھ کہتے ہیں ان کے دل بھی اسی آواز سے آواز مل کر سینوں کی گھڑائی میں دھڑک رہے ہیں اور زبان و دل کی اس مشترک آواز پر ان کے کردار و عمل کے قدم بھی اسی سمت میں اٹھ رہے ہوں۔ کتنے ایسے حساس بندے ہیں جو تھوٹے روز کی ایک ساعت گریز پا کے لئے زندگی کے ہنگاموں میں چونک کر اس بات کا جائزہ لیتے ہوں کہ خدا کے سامنے انھوں نے جو عہد کیا تھا خدائی کے آگے اسی عہد کا ثبوت دے رہے ہیں کہ نہیں؟ — وہ ایمان و فائز کشی کا جو جذباتی عہد نخلع و نترک من یغیرک کے الفاظ میں کر چکے ہیں نے زندگی کی عملی قربانگاہ میں اس عہد پر کیا کچھ بھیدت چڑھا سکتے ہیں؟ کتنے انسانوں سے انھوں نے اس عہد کی روشنی میں تعلق قائم کیا ہے اور کتنے عزیزوں کو اس عہد کے احترام میں اپنے تعلق کی دنیا سے جلا وطن کیا ہے۔ کتنے اربابوں اور ترنگوں کو اس عہد کے نام پر اپنے دل سے کھرچ کر پھینکا ہے اور کتنی صبر آزمائشہ بانیوں کو اس عہد کے پاس خاطر میں تن میں دھن سے قبول کیا ہے؟

درحقیقت محبت و نفرت کے جذبات میں جس قدر یہ لٹہیت پیدا ہوگی اتنا ہی انسانی ہدایت کا امکان

ردش اور لغبتی ہو سکے گا۔ درنہ یہ بالکل ممکن ہے کہ محبت و نفرت کے جذبات ہیں انتہائی خطرناک ہونے سے کہ لٹہیت کے پردے میں ہماری نفسانیت و خود پرستی کا طلسم قائم کرتے چلے جائیں۔ ہم ایسی چیزوں سے وابستہ ہو جائیں جو خدا کی نہیں ہماری اپنی پسندیدہ چیزیں ہوں اور ایسی چیزوں سے اپنا تعلق توڑ لیں جو خدا کو درحقیقت پسند ہوں مگر وہ ہمارے نفس و خواہش کو لذت معلوم ہوتی ہوں۔

ہمارا ماحول ہمیں ہماری اس خطرناک بے حسی اور ایمانی سرد مہری کی جہلک بیماری کا بار بار احساس دلانا ہے۔ ہمارا عملی وجود اندر ہی اندر سج رہا ہے تم اپنے وجود کی گہرائیوں میں ایک ایسی موت کے جڑوں میں پستے چلے جا رہے ہو کہ جس کے بعد زندگی کی کوئی تحقیقی امید ہی نہیں۔ کاش دن رات کا کوئی ایک ہی لمحہ اس خطرناک مسئلے پر سوچنے بچھنے کی توفیق عطا کرے کہ جس خدا نے ہمیں سب کچھ دیا اس کو ہم کچھ بھی دینے کے لئے تیار کیوں نہیں؟ اور جس رسول نے اپنی تمام عمر ہمارے درد میں تڑپ کر سبر کی اس کے لئے ہمارے جذبات شل ہو کر کیوں رہ گئے ہیں؟ کون جانے کہ اب یہ بات سوچنے بچھنے کی کتنی جہالت اور باقی رہ گئی ہے۔ اور اگر خدا نخواستہ ہمیں موت کی ہچکی نے آدلا چا تو آخر کس طرح ہم اپنے خدا کو مند دکھائیں گے؟

حضرت ابو بکرؓ اور فاروق اعظمؓ
 دنیا کے عرب کے سحر از مصنف طح حسین
 کی ایک ایمان افروز دلچسپ اور روح پرور
 کتاب بیس آردو لباس میں۔
 قیمت مجلد چھ روپے بارہ روپے
 مکتبہ تجلی دیوبند دیوبند

بدعت کے رد اور توحید و مذہب کے اثبات میں ایک عظیم کتاب

بدعت کی کتاب

چند ایسے دل نشین مقالات کا مجموعہ جو قسبوری
شہریت کے ہر استدلال کے لئے پیام مرگ
کا درجہ رکھتے ہیں۔

قرآن — حدیث — عقل — اور نقل

ہر اعتبار سے واضح اور روشن براہین و شواہد

عوس — فاتحہ — نذر و نیاز — ترجمہ ہلم — الابلا
تمام ایجادات و بدعات کے لئے ضرب کلیم

نیا ایڈیشن عمدہ کاغذ اور سولہ صفحات کے قیمتی
اضافے کے ساتھ۔ مگر قیمت میں کوئی اضافہ نہیں
ہوئی — تین روپے

بلاغ المبین

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی

ایک بیس بہا کتاب کا اردو ترجمہ۔ جو بدعت کے رد و اثبات
کے اثبات اور عقائد صحیحہ کی توضیح میں نہایت اعلیٰ ہے۔
قیمت مجلد چار روپے

وجد و سماع

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ
از روح الامبجانا۔ قوالی۔ عرس وغیرہ
کا بارے میں بے نظیر گفتگو
پیش لفظ مدیر تجلی کا ہے۔

قیمت ایک روپیہ

تفہیم الحیث

ہمسائے کے حقوق

عن عائشۃ رضی اللہ عنہا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال :- ما سأل جبریل یوحی بئنی بالجار حتی ظننت انہ سیوترثانہ (بخاری و مسلم)

ترجمہ لکھا :-

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل مجھے ہمیشہ اس انداز میں پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہتے ہیں کہ جیسے اب اسے شریک وراثت ہی ٹھہرا دیں گے۔

بنے گا وہ بھی فاسد و کاسد ہوگا لیکن یہی افراد اگر باہم دگر ہمدردی و تمکساری کے تعلقات رکھتے ہیں تو ان کے مجموعے سے ظہور پانے والے خاندان اور گھنے ایسا ہی معاشرہ تخلیق کریں گے جس میں امن و محبت اور اخوت و دوستداری کے اثرات غالب ہوں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام اصلاح معاشرہ کے بلند ناکد دعویٰ اور غروں کی بجائے انتہائی متانت اور اعصاب و ناکد کے ساتھ ان بنیادی مؤثرات اور ان اساسی اندازہ اصول کی طرف رہنمائی کرتا ہے جنہیں اپنا لینے کے بعد خود خود ایک صالح اور بلند معاشرہ کا وجود میں آنا امر لازم ہے۔

آپ نے دیکھا اس نے صلہ رحمی پر کتنا زور دیا۔ ہننے اگر یہ خوب طوالت صلہ رحمی کی تاکید و تحسین کی تمام روایات بیان نہیں کی ہیں، لیکن ضمنی بھی کی ہیں وہ یہ واضح کرنے کیلئے بالکل کافی ہیں کہ ضرورت مند عزیز و اقرباء کی حتی الوسع مدد کرنا ہر شخص کی ایسی ذمہ داری ہے جسے اللہ نے اس پر عائد کیا ہے اور جس طرح ایک صاحب نصاب زکوٰۃ ادا کرنے کی معصیت میں اللہ کے یہاں پکڑا جائے گا اسی طرح وہ شخص

تفہیم :-

ایک پائدار و سرفلک اور عالی شان عمارت اسی وقت بن سکتی ہے جب ہر مند کارنگروں نے اس میں استعمال کئے جانے والے تمام ساز و سامان پر پوری توجہ دی ہو۔ ایٹیں عمدہ لکھی ہوئی ہوں۔ پتھر اچھی قسم کے ہوں۔ لوہا پختہ ہو۔ مسالے ہر مندی سے بنائے گئے ہوں۔

اسی طرح معاشرے کو بھی ایک عمارت سمجھتے چند افراد مل کر ایک گھرانہ بناتے ہیں اور چند گھرانوں کے مجموعے سے خاندان بنتا ہے۔ پھر متعدد خاندانوں کا مجموعہ ایک گاؤں ایک قصبہ شہر کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور بہت سے شہر مل کر ملک کا نام پاتے ہیں۔ پورے معاشرے کے سدھار یا بگاڑ کا مدار ان اکائیوں اور یونٹوں کے اوصاف و احوال پر ہے جن کے مجموعے سے یہ معاشرہ بنتا ہے۔ اگر ایک ہی خاندان کے افراد باہم دگر اخوت و مؤدت کے تعلقات نہیں رکھ سکتے اگر ایک ہی گھرانے کے افراد بجات حسن سلوک کے آپس میں بدسلوکی اور کدورت و نفرت کی روش اختیار کرتے ہیں تو لازمی بات ہے کہ ان بدگرا اور بد اطوار افراد کے مجموعے سے جو معاشرہ

بھی ضرور پکڑا جائے گا جس کا کوئی عزیز و قریب محتاج ہو اور وہ باوجود قدرت و استطاعت رکھنے کے اس کی احتیاج پوری کرے۔ بس فرق نوعیت اور درجات کا ہے حجم یقیناً دونوں ہی ہیں۔

یہ گویا خاندانوں کے نظم و ضبط کو حسن سلوک اور رفق و مروت میں رنگنے کی ایک پاکیزہ تعلیم تھی۔ اب اسی رفق و مروت کو نسل و نسب کے دائرے سے آگے بڑھا کر پورے عالم انسانی میں عام کرنے کی خاطر اسلام نے پڑوسی سے حسن سلوک کا وہ معیار اعلیٰ پیش کیا ہے جس سے بڑھ کر ہم گیر اور مؤثر تعبیر پیش کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ ذرا سوچئے بظاہر ایک پڑوسی کا معاملہ ہے لیکن فی الحقیقت یہی چھوٹا سا معاملہ بہت بڑا دائرہ بن کر پورے معاشرے کو گھیر لیتا ہے۔ ہر شخص کسی نہ کسی کا پڑوسی ضرور ہے۔ آپ کا محلہ سواد میں پرستل ہے تو ان میں سے ہر فرد باقی نواسے افراد کا پڑوسی ہوگا۔ یہ تو فرق کیا جا سکتا ہے کہ چند افراد بالکل متصل ہوتے ہیں اور دوسرے افراد تھوڑے تھوڑے فاصلے پر لیکن فاصلوں کا یہ معمولی سا اختلاف جی ہمسائیگی کو ساقط نہیں کرتا۔ اسلام نے صرف اسی کو پڑوسی نہیں مانا ہے جس کا گھر آپ کے گھر سے بالکل ٹا ہوا ہو بلکہ اس نے بہت سے اور معاملات کی طرح اس معاملہ میں بھی عرف عام کا لحاظ لیا ہے اور عرف عام میں پڑوسی کا اطلاق پورے محلے پر ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی وہ ہدایات جو پڑوسی کے سلسلہ میں دی گئی ہیں محلے کے تمام افراد کو حاوی ہیں۔ گویا جن متعدد محلوں کے مجموعے سے ایک آبادی ایک شہر بنتا ہے ان میں سے ہر ایک کے باشندوں پر اس نے ایک دوسرے کی عکساری، مدد، بہرہ دہی، مہمواسات اور دستداری لازم کر دی۔ صاف کہہ دیا کہ وہ شخص فی الحقیقت مومن ہی نہیں ہے جس کے شتر سے اس کے ہمسائے رنج و مصیبت کا ہدف ہوں۔ جس کی بد اطواری اس کے پڑوسیوں کے لئے خطرہ اور خجالی ہی ہوتی ہو۔ اور اس شخص کو جانور، شقی اور بد نصیب قرار دیا گیا جو خود تو پیٹ بھر کر مرغز مال اڑا جائے مگر اس کا ہمسایہ

بھوکا سو یا ہو۔

ہر خاندان پورے معاشرے کی ترکیب و تعمیر میں ایک پرنٹ کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر محلہ پورے شہر کی عمارت کا ایک ستون ہے۔ ظاہر ہے کہ ستون اگر مہنہ بھونٹا ہوں تو ان پر کچھانی جانے والی چھت بھی دیر پا ہو سکے گی۔ جن لوگوں کے کردار میں اسلام کی مطلوبیہ خوبی پیدا ہو جائے کہ وہ پڑوسیوں کے لئے سرمایہ رحمت و راحت بن جائیں ان سے یہ توقع کرنی یقیناً درست ہوگی کہ ایسے محلے سے باہر بھی وہ خوش کرداری ہی کا ثبوت پیش کریں گے۔

پڑوسی سے حسن سلوک کی تاکید میں جو بہت سی روایتیں عمدہ سندوں کے ساتھ مروی ہیں ان میں سے بعض کا بیان ہم آگے کریں گے۔ ان سے تلامذہ و اہل علم معلوم ہوتا ہے کہ پڑوسی کا حق کوئی معمولی چیز نہیں بلکہ وہ اتنا مؤکد اور قطعی ہے کہ قانوناً نہ ہی لیکن معنوی حیثیت سے اس کا لحاظ اتنا ہی ضروری ہے جتنا دائرہ کی تقسیم میں ترکے کے صحیح مستحقین کا لحاظ۔ یہی وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورۃ الصداہر ارشاد صحابہ فرمایا۔

آپ کو معلوم ہے کہ جن رشتہ داروں کو اللہ نے ذمے دے کے مال و جان دیا اور ان کے رشتہ دار ہیں ان میں سے تو آپ کو اتنا یاد رکھنا کہ کوئی چیز محروم الارث نہیں کر سکتی۔ حتیٰ کہ ایک بدکار و گناہگار بیٹے کو لازماً اتنا ہی حصہ ملے گا جتنا دوسرے نیکو کا رشتہ دار بیٹے کو۔ اسی پر ہمسائے کو قیاس کیجئے۔ ہمسایہ بدکار ہو یا نیکو کار۔ شتر پر ہوا صلح پسند۔ جو حقوق ہمسائیگی اللہ اور اس کے رسول نے معین فرمادیے ان میں سے ساقط نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ اگر وہ کافر بھی ہے تو اس کا حق ہمسائیگی ختم نہیں ہوتا۔ آپ جانتے ہیں ارثداد کی سزا نسل ہے، لیکن کافروں کا ناسخ قتل جائز نہیں۔ مزد چوں کہ قبول اسلام کے بعد داخل کفر ہوئے اس لئے ایسے محروم الارث ہو ہی جانا چاہئے، لیکن ہمسایہ اگر کافر ہے تو یہ کفر

صحیح ہے جواب دیا۔

”لے اللہ کے رسول! وہ ایک نفل حرام ہے جسے لٹاؤ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے۔“

سرا کر اٹنے نہ مایا۔

”سُن لو۔ جو شخص کسی ایک پڑوس سے زنا کرے اس کا جرم اُس شخص سے زیادہ شدید ہے جس نے دس غیسر پڑوسی عورتوں سے زنا کیا۔“

اس کے بعد اپنے دریاخت فرمایا:

”تم چوری کے بارے میں کیا کہتے ہو؟“

صحیح ہے جواب دیا۔

”یا رسول اللہ۔ یہ بھی فعل حرام ہے جسے اللہ اور اس کے رسول نے حرام ٹھہرایا ہے۔“

حنور نے فرمایا:

”تو سنو۔ جس شخص نے پڑوس کے کسی ایک گھر میں چوری کی وہ اُس شخص سے بڑا مجرم ہے جس نے پڑوس سے باہر دس گھروں میں چوری کی۔“

اس روایت سے جو کچھ ظاہر ہوا وہ کسی تقسیم و توجیح کا محتاج نہیں۔ کوئی شخص زنا کرتا ہے وہ مجرم ہے لیکن جو شخص کسی محرم عورت سے زنا کرتا ہے وہ بہت بڑا مجرم ہے اور جو بزرگ عیاداً باللہ اپنی بہن یا ماں سے زنا کرنا کرکب ہو اس کے کمبوں مردود ہونے کی تو کوئی انتہا ہی نہیں۔ گویا ایک ہی عمل مختلف حالتوں میں مختلف حیثیت رکھتا ہے۔ بس یہی مکتہ پڑوسی اور غیر پڑوسی کے معاملات میں ملحوظ رہنا چاہیے۔ داروں کو مجرم کی جائداد میں حصہ مل کر رہے گا یہ ایک قانون ہے۔ جس میں میری آپ کی پسند اور مرضی کو کوئی دخل نہیں آسکتا۔ پڑوسی کا استحقاق ایک قانون ہے جسے بدلا نہیں جاسکتا۔ لیکن اس قانون کے سلسلہ میں داروگیر اور اقساب کو اللہ نے دنیا کی بجائے آخرت پر اٹھا رکھا ہے۔ قاضی آپ کو مارا کر پڑوسی سے حسن سلوک پر مجبور نہیں کرے گا لیکن اللہ کے حضور ہر اس روئے اور روش کی جواب دہی کرنی ہوگی جسے

اپنے پڑوسی کے بارے میں اسباب یہ ہے۔

بازی النظر میں یہ خیال ہوتا ہے کہ جو جرم زیادہ سخت

ہیں ان پر اللہ نے دنیا ہی میں سخت سزائیں رکھ دی ہیں اور

جی پر سزائیں نہیں رکھیں وہ ایسے شدید نہیں ہیں۔ لیکن

حقیقت یہ نہیں ہے۔ جن جرائم پر اللہ نے دنیاوی حدود

و تعزیر معین نہیں فرمائی ان میں سے بعض ایسے سخت اور گھناؤ

ہیں کہ بعض حالتوں میں زنا اور سرقہ و قمار سے بھی بازی لے

جاتے ہیں۔ مثلاً آپ کو معلوم ہے کہ آپ کے پڑوسی کے یہاں

آج چولھا نہیں جلا ہے اس کے اہل و عیال فلتے سے مہل اور

اسی حالت میں انھیں رات کاٹنی ہوگی۔ خود آپ میں بفضلہ

تعالی اتنی استنطاق عت ہے کہ اس کے یہاں ایک دخت کی

روٹی پہنچا سکیں لیکن نہیں پہنچاتے اور خود میرٹ بھر کر آرام

سے سو جاتے ہیں تو یقین کیجئے کہ یہ بے کرداری انتہا درجے

سخت ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی اُس شخص کو معاف

کر دے جو جوانی کے جوش میں طواف الف کے کوٹھے پر منہ

کالا کر آیا ہے، لیکن یہ توقع بہت کم ہے کہ پڑوسی کی فاقہ کشی

کی پروا نہ کرنے والا شفقی بھی معاف کیا جاسکے گا۔ حالانکہ شرعاً

ایسے شخص کے لئے کوئی دنیاوی سزا معین نہیں نہ قاضی اس

شخص پر داروگیر کر سکتا ہے۔ مگر اللہ ایسے شخص کو بہت سختی سے

پکڑے گا۔ قَاتِلُوا اللّٰمَاتِ اللّٰہُ شَدِيْدٌ الْعَاقِبِ۔

غنیۃ الطالبین

فتوح الغیب

(دارومع عربی)

شیخ المشائخ حضرت عبد القادر جیلانی کے

شہرہ آفاق افادات عالیہ۔ دو ضخیم جلدوں

میں مکمل۔ قیمت جو میں روپے۔

مکتبہ تجلی دیوبند (دیوبند)

ماصیا پر نگاہ واپس

رمضان المبارک بھی یوں تو دیکھنے میں سال کے بارہ
 مہینوں میں سے ایک مہینہ کا نام ہے۔ لیکن درحقیقت اگر
 ایمان و یقین کی نظر سے دیکھا جائے تو یہ مہینہ صرف تیس یا
 انتیس شب و روز کے مجموعہ کا نام نہیں، اس کے سوا اور بھی کچھ
 ہے۔ اگر سچائی اور ہدایت کو انسانیت کا نام، عمل اور اس فانی
 زندگی کا حقیقی سرمایہ تسلیم کر لیا جائے تو یہ مہینہ اسی دولت کا محدود
 خزانہ ہے۔ ذرا سی دیر کے لئے ایک ایسی دنیا کا تصور فرمائیے
 جس میں سب کچھ ہو مگر "فتران" نہ ہو! ————— قرآن
 جو حقیقت کا واحد معیارہ نور ہے۔ ————— قرآن
 جو ظن و تخمین اور اندیشہ و گمان کی آوارہ خیالیوں کی تاریک بھول
 بھلیاں سے نکلنے کا واحد اور قطعاً واحد راستہ ہے۔ ————— قرآن
 جو حیات و کائنات کے بنانے والے، پالنے والے خدا کا وہ بختری
 پیغام ہے جس کی روشنی میں انسان اپنی کھوئی ہوئی جنت کی طرف
 سفر کر سکتا ہے۔ اپنی زندگی کا مقصد، راہِ عمل اور منزل مقصود
 کا تعین مکمل اذعان و یقین کے ساتھ کر سکتا ہے۔ ————— اگر
 قرآن موجود نہ ہوتا تو بڑی سے بڑی عبادتیں اور سخت سے سخت
 ریاضتیں انسان کو آنکھوں اور کانوں اور قلوب کے باوجود اندھا
 بہرہ اور بھیس ہونے سے نہ بچا سکتیں۔ زندگی صبح و شام اور صبح و
 شام کے گھسے پٹے معمولات سے ابھرتی اور وہیں کی وہیں دفن ہو کر
 رہ جاتی۔ سائنس اور فلسفے کے دھارے انسانیت کی کشتی کو
 اپنے تیز رد دھاروں میں ڈبو کر رکھ دیتے اور اس موت کی دنیا سے
 باہر ایک نہ ختم ہونے والی زندگی کے "عالمِ بالا" کا کوئی یقینی
 تصور ہمارے پاس ہرگز نہ ہوتا۔

اگر قرآن انسانیت کا واحد سرمایہ حقیقت ہے تو
 رمضان المبارک اس سرمایہ کا مخزن ہے۔ اسی مبارک مہینے
 کے اقیق سے صدیوں کی سیاہ رات کا پردہ چاک ہوا تھا۔ اور
 رنگستانِ عرب کے آبی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے یونٹوں پر ان کی
 آواز ابھرتی ہوئی سنائی دی تھی۔ اسی مہینے کی دستوں میں عوش
 اعظم سے حقائق کا نور امینت پتھر کی دنیا پہنا زل ہوا تھا، اور خدا کا
 مقرب ترین فرشتہ اسی مہینے کے صبح و شام میں آسمانوں سے زمین
 پر اتر کر ایک انسان صادق سے ہمکلام ہوا تھا۔ یہ عظیم ترین تاریخی
 واقعہ ہر سال رمضان المبارک کے پردہ نور پر عکس ہوتا ہے
 اور ہر سال جنت سے نکلے ہوئے انسانوں کو خدا کی جنت ابدی
 کی طرف اشارہ کر کے حقیقی زندگی کا شعور، لگن، حوصلہ اور ولولہ
 عطا کرتا ہے۔ لیکن کتنے "مسلمان" ہیں جو اس ماہِ صیام کی عظمت
 کو پوری طرح محسوس کرتے ہیں؟۔ کتنے دل میں جو طال رمضان کو
 دیکھ کر عجز یا ت شوق سے دھڑک اٹھتے ہیں؟۔ کتنی آنکھیں ہیں
 جو اس مہینے میں ندامت و انفعال کے گرم گرم آنسوؤں سے
 بھیک جاتی ہیں؟ کتنی زبانیں ہیں جو دل کی گہرائیوں سے اپنے خدا کو
 پکارتی ہیں؟۔ کتنے دماغ ہیں جو اس ماہِ مبارک کے سائے میں
 بیٹھ کر انسانی زندگی کے اس "آخری انجام" کے متعلق سوچتے ہیں
 جو بنتا ہے تو زندگی پر یہ کہانی بن جاتی ہے اور ڈبو جاتا ہے تو
 زندگی کی ساری تاملانیاں ایک المناک ظلمت کے سانچے میں ڈھن کر
 رہ جاتی ہیں؟
 روزے کوئی گھسا پٹا معمول نہیں۔ تعذیر
 کو بنانے کا ایک سنہرا موقعہ ہے جو سال کے ۳۶۵ دنوں میں چند
 دن کے لئے انسان کے ہاتھ آتا ہے، اور پھر ایک سال یا پھر کئی

یا صلے جانا رہا ہے۔ اس سے نہ ہونے لگیں جیسا اسے دھما
 کو پانے کے لئے وہ زمین پر ہوگا یا زمین کی گہرائیوں میں منوں منی
 کے نیچے اس کی ہڈیاں بھی سرسرد بن چکی ہوں گی۔ اس ماہ مبارک کا
 لازوال تحفہ "قرآن" اس لئے نہیں کہ اس کے الفاظ کو کسی متر
 کی طرح الٹا لیا جائے۔۔۔۔۔ اس کا ہر لفظ ہمیں حقیقت
 کا ایک شعور اور ہدایت کا ایک ٹھوس پیغام دیتا ہے۔ جس کو پڑھنا
 اور پڑھکر سمجھنا اور سمجھ کر کردار و عمل میں جذب کرنا ہماری سجات
 فلاح کے لئے لازم و ناگزیر ہے۔ اب جب کہ "ماہ صیام" کا پڑھنا
 موقع ہمارے ہاتھ سے نکل رہا ہے۔۔۔۔۔ ہمیں اپنی پیشکش
 اپنا عظیم تحفہ، لازوال یادگار دیکر جا رہا ہے اور وہ ہے
 کتاب اللہ۔ اس لئے اگر ہم نے یہ قسمتی سے اس ماہ مقدس کی
 برکات سے اپنا حصہ حاصل نہیں کیا تو "قرآن" کے صفحات میں
 اپنی خسروئی کا نعم البدل تلاش کر سکتے ہیں۔ ایک بار اللہ کے
 بندے اور آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب
 رضوان اللہ علیہم اجمعین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:۔۔۔۔۔
 "لوگو!۔۔۔۔۔ جس طرح لوہے کو زنگ لگ جاتا ہے
 آدمی کے دل کو بھی زنگ لگ جاتا ہے"۔۔۔۔۔ صحابہ نے
 یہ بات سنی تو فکر و تشویش کے گہرے جذبات نے ان کے دل و
 دماغ کو متزلزل کر دیا۔ انھوں نے انتہائی درد و اضطراب کے ساتھ
 اس روحانی زنگ خوردگی کا علاج دریافت کیا۔ آں حضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جہلک ترین مرض کے لئے دود و انیس
 تجویز فرمائی تھیں۔۔۔۔۔ "موت کی بکثرت یاد اور اللہ کی کتاب
 کی زیادہ سے زیادہ تلاوت"۔۔۔۔۔

قرآن کریم کے الفاظ قلب انسانی کے زنگ کو کس حد تک
 کھرچ سکتے اور دل کی مردہ دھڑکنوں میں زندگی کی سنسنی کس
 حد تک پیدا کر سکتے ہیں اس کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے تاریخ کے
 ادراقی المٹ کر دیکھئے۔ عرب کے سنگدل ترین کافر جن کے
 دلوں پر کفر و شرک کے زنگ کی انتہائی جامد تہیں چڑھی ہوئی
 تھیں، اور جو کبھی اس جہلک مرض سے شفا نہ پاسکے اور کھنک
 موت مرے ان پر بھی قرآن اثر کرتا تھا۔ یہ اثر کوئی معمولی اثر نہ تھا
 تاثر کا ایک طوفانی اثر تھا جو ان کے پورے وجود کو مرنش کر کے

بھدیا تھا۔ یہ درد سر و ہاتھ پاؤں سے لے کر
 کرنے کے بعد بھی ہدایت صرف ان کو ملی جن کی طرف رحمت
 خداوندی کی نگاہ اٹھ گئی۔۔۔۔۔ اس لئے کہ "ہدایت" وہ
 آخری نعمت ہے جو خدا ہی اپنے ہاتھ سے انسان کو عطا کرتا
 ہے۔ کفر کی حالت میں جب قرآن نے انسان پر یہ اثر کیا تھا
 تو اسلام کی حالت میں اس کا اثر کتنا گہرا اور ہم گیر ہونا چاہئے
 اس کا پورا اندازہ لگانا ممکن نہیں۔ ہاں طلب اور جستجو کی نہیں لئے
 ہوئے قرآن کی طرف توجہ کر دیکھئے تو یہ بات تجربہ سے ثابت
 ہو جائے گی۔

قرآن نے انسانی قلوب پر ان کے کفر و شرک کی بدترین
 کیفیت میں کیسا کیسا اثر کیا ہے اس کا ایک بلا سنا اندازہ کرنے
 کے لئے چند واقعات کی تاریخی جھلک دیکھئے:۔۔۔۔۔

دارالندوہ کی تاریخی عمارت میں کفر و باطل کی قوتوں کا
 ایک تاریخی اجتماع ہوا تھا۔ زیر خوردہ تجویز تھی کہ قرآن اور اس
 قرآن محمد عربیؐ کا مقابلہ کرنے کے لئے شعر و ادب
 اور فصاحت و بلاغت کی طاقت استعمال کر کے دکھی جائے۔ نگاہ
 انتخاب عقیدہ بن ربیعہ پر پڑی جو کعبہ کی صفوں میں شعر و سخن کی
 ممتاز صلاحیتوں کا مالک تھا۔ یہ شخص جارحانہ ذہنیت اور جہلیانہ
 مقابلہ کے جذبات لئے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی
 خدمت میں پہنچا اور اس بات کی بھرپور کوشش کی کہ لفظی اور
 سطحی استدلال کے اوجھے ہتھیاروں سے زبان و دجی ترجمان پر
 بازی لیجائے۔ جب کافر میں کچھ کہ چکا اور سب ہتھیار استعمال
 کر چکا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جواب تک خاموشی سے سنتے
 رہے تھے خدا کی کتاب کی چند مخصوص آیات انتہائی دردناک
 آواز میں تلاوت فرمانے لگے۔ خدا کا رسول خدا کے الفاظ میں
 شیطانی ہیرو کو جواب دے رہا تھا۔ اللہ کی کتاب کے الفاظ
 اور رسول خدا کی دل گذار آواز نے مل کر سنگدل کافر کے زنگ
 خوردہ دل پر اثر کیا کہ وہ جنت کی طرح ساکت و صامت کھڑا
 کھڑا رہ گیا! ہوش و بیداری کی حالت میں ہوش و حواس پر
 سکے کی سی کیفیت طاری تھی اور قرآن کے الفاظ کا زیر و بم اس
 پتھر کی رگ دھپ میں میں رقت اور سنسنی کی لہر دوڑاتا چلا جا رہا تھا۔

روغن کسیر دماغ

روغن کسیر دماغ کوئی معمولی ایش تھاری تیل نہیں
قیمتی جسٹری بولٹیوں اور مفید اجزاء کا مرکب ہے
جو دماغی قوت اور بالوں کے لئے ٹانگ کی حیثیت
رکھتا ہے۔ دائمی نزلہ کو دور کرتا ہے۔ بے خوابی رفع
کر کے میٹھی نیند لاتا ہے۔ دماغی محنت کرنے والوں کیلئے
خاص تحفہ ہے۔

قیمت فی شیشی ایک روپیہ ۸ پیسے
ڈاک خرچ ڈیڑھ روپیہ

ہلال فارمیسی دیوبند

درمیان ایک نامعلوم دینیز مردہ ایک حجاب ستورہ
حائل ہو چکا ہے۔ اس خوفناک ظلمت کے نظر آنے والے
پردے کو چاک کئے بغیر ہم نہ رمضان سے مستفید ہو سکتے ہیں نہ
ستران سے فیض یاب۔ اس پردے کو چاک کرنے کے لئے
ہمیں "زیلع قلب" کے مرض کو دور کرنے کے لئے رسول خدا کی
تجویز کردہ پہلی دوا استعمال کرنی ہوگی جو اپنی موت کی بکثرت یاد
ہے۔ فریب زندگی کو توڑنے کے لئے اس دن کو بار بار یاد کیجئے
جب ہم موت کے بستر پر پڑے ہوئے نہ جانے کس قدر تکلیف
کے ساتھ دم توڑ رہے ہوں گے۔ جب دنیا ہمیں
اٹھا کر زمین کی تہ میں پھینک رہی ہوگی اور ہماری آواز ہمیشہ کے
لئے خاموش ہو چکی ہوگی انسان خدا کا انکار کر سکتا
ہے مگر موت کا انکار نہیں کر سکتا موت پر ہر شخص
ایمان رکھتا ہے اسی ایمان سے چلنے اور آپ خود بخود
قرآن پر ایمان کی سنسزل کو چھولیں گے۔ انشاء اللہ العزیز۔
اسے خدا ہم پر قرآن کے صدقے میں رحم فرما! اور
اس کو ہمارے لئے مشعل راہ اور حجت بنا دے! آمین۔

جماعت اسلامی کی ابتدائی درسی کتابیں

ایسا نصاب حسین دین اور دنیا دونوں کا لحاظ رکھا گیا۔
قسط ۱۔۔ ۳۰ پیسے ہمداری کتاب حصہ اول ۴ پیسے۔
۳۵۔۔ ۴۰ پیسے سوم ۸۰ پیسے چہارم ۸۰ پیسے۔
پورا سیٹ تین روپے

عربی سیکھنے والوں کیلئے تحفہ نادرہ ایک رفیع الشان اردو عربی کٹری
بے شمار اردو الفاظ کے عربی
متراذفات کے علاوہ اس میں
ضرب الامثال محاورات اور زبان کے نئے تغیرات کا لحاظ رکھا
گیا ہے۔ ضروری مقامات پر تصاویر کے ذریعے مفہوم کو واضح
کیا گیا ہے مفید، بیش قیمت اور جلیل القدر قیمت جلد سات روپے

مکتبہ تجلی دیوبند۔ یو۔ پی

ماہنامہ توجہ ماہ القرآن کا منصب سالت نمبر

ہمیں رنج ہے کہ بعض شائقین کی فرمائشیں قدرے تاخیر
سے پوری کی گئی ہیں، مگر شکر ہے کہ کوری گئیں۔ ابھی اس مقبول و فوج
نمبر کے کچھ نسخے اور باقی ہیں۔ اہل ذوق فرمائش میں مسابقت فرمائیں
قیمت ساڑھے تین روپے، ڈاک خرچ ایک روپیہ دو کٹے

راہ عمل اصلاح و ترمیمیت سے متعلق ارشاد اتہ رسول کا
ذخیرہ نشر و تفہیم کے ساتھ مولانا جلیل حسن
ندوی کے قلم سے ایمان افروز اور سبق آموز۔ پونے چار روپے۔

احادیث کی تفسیر و تمییز دل نشیں
انداز میں۔ قیمت سوار روپیہ۔

تحریک اسلامی اپنے اندر بھی کے آئینے صید
اسود گیلانی کی ایک کتاب جو حق باطل کی
جنگ کا عبرت انگیز خاکہ پیش کرتی ہے۔ قیمت ڈیڑھ روپیہ

تجلی کی ڈاک

مکاند شیطانی

سوال ۱:۔ از انور اقبال۔

حال ہی میں ایک ماہنامے کا مضمون "وسیلہ اولیاء" نظروں سے گذرا اس میں بزرگان دین کے اقوال کے زیر عنوان چند ایسی باتیں بحوالہ کتب ان جلیل القدر علمائے متقدمین کی طرف منسوب ہیں جن کے بارے میں ہم پڑھتے اور سنتے آئے ہیں اور ہمارے عقیدہ ہے کہ یہ تمام حضرات توحید خالص کے علمبردار اور شرک اور بدعت سے سخت بیسنار اور اس کے مخالف تھے۔ متذکرہ مضمون کے چند حیرت انگیز اور تعجب خیز انکشافات درج ذیل ہیں:-

(۱) حضور غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی اپنے قصیدہ غوثیہ میں اپنے خداداد اختیارات بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں:-

وَجَلِيٌّ دَرِيٌّ لَكَ قَدَامَ ذَرَاتِي

عَلَى قَدَامِ الْمَلِيحِيِّ بَدْرُ الْكَمَالِ

(۲) اماموں کے امام یعنی امام اعظم ابوحنیفہؒ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں:- "یا رسول اللہؐ میں آپ کی عطا کا امیدوار ہوں اور مخلوق میں ابوحنیفہؒ کا تمہارے سوا کوئی نہیں" (۳) مولانا جلال الدین رومیؒ غنوی میں فرماتے ہیں:- "بہت سے قبروں میں سونے والے بنائے مزاروں زندوں سے زیادہ نفع پہنچاتے ہیں۔ ان کی قبر کی خاک بھی لوگوں پر سایہ نکلن ہے۔ لاکھوں زندے ان قبر والوں کے سایہ میں ہیں" (۴) دہمہ خفیوں کے معبر عالم ملا علی قاریؒ

اپنی کتاب نزهة الخاطر الفاطری ترجمہ شیخ عبدالقادر صفحہ ۶۱ میں فرماتے ہیں کہ حضور غوث پاکؒ نے فرمایا:- "یعنی جو کوئی مصیبت میں تجھ سے مدد مانگے تو وہ مصیبت دور ہوگی اور جو کسی تکلیف میں میرا نام لے کر پکارے تو تکلیف رفع ہوگی"۔ اس کے بعد مولانا قاری نماز غوثیہ کی ترکیب بتا کر فرماتے ہیں:- "اس کا بار بار تجہ یہ کیا گیا صحیح ثابت ہوا"۔ فرماتے ملا علی قاری بھی حضور غوث پاکؒ کا وسیلہ کبڑ کر فرماتے ہیں کہ درست ہے۔ یہ ملا علی قاری وہ بزرگ ہیں جن کو دیوبندی دہابی بڑے زور شور سے مانتے ہیں۔ چند اقوال کے زیر عنوان درج ہے (۵) مولوی اشرف علی صاحبؒ اپنی کتاب شیم الطیب ترجمہ شیم الحیب میں حسب ذیل اقتدار تحسیر کرتے ہیں:-

دستگیری کیجئے میسر ہی نبی
کشکش میں ہوں تم ہی میرے ولی

جر تمہارے ہے کہاں میری پناہ
نوح کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

ابن عبداللہ زائد ہے خلاف
لے مرے مولا خیر لیجے مرے

(۶) شاہ ولی اللہ صاحبؒ کشف قبور کے عمل میں تحریر فرماتے ہیں:- "اس کے بعد قبر کے سات چکڑ طواف کرے اور اُس طواف میں تکبیر کہے داییں طرف سے شروع کرے بعد میں قبر کے بائیں اہنار شمار رکھے"۔ اس عبارت کو مولوی اشرف علی صاحبؒ تھالاوی نے اپنی کتاب حفظ الایمان میں نقل فرما کر اس عمل کو جائز ثابت کرنے کی

کوشش کی (۲) "یا ایھا الذین آمنوا اتقوا اللہ والیبتغوا
الیہ الوسیلة" اس کی اردو تشریح میں مولوی خرم علی ہابی
کہتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے
کہ پہلی آیت والیبتغوا الیہ الوسیلة میں وسیلہ سے مراد
مرشد کی بیعت ہے۔

برابر ہر بانی جو اب دیکھے کہ مذکورہ بالا سطور میں جو
باتیں حلیل القدر علماء سلف کی طرف سے جو الہ کتب منسوب
ہیں کیا واقعہ ایسی باتیں ان علماء کی کتابوں میں موجود
ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا فی الواقع یہ تمام باتیں کتاب و سنت
کی رو سے درست بھی ہیں؟ امید کہ آپ ضرور جواب دینگے۔

الجواب :-

آپ ہی کی طرح ہمارے پاس اور بھی حضرات وقتاً
وقتاً ایسے اقتباسات اور پوسٹرا اور پمفلٹ وغیرہ بھیجتے
رہتے ہیں جن میں اسی نوع کی لغو دلائل باتیں درج ہوتی
ہیں اور جانتے ہیں کہ ہمارے تفصیلی جواب دیں۔ لیکن ہمارے
لئے نہ تو عملاً ہر ایسی چیز سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہے نہ اس کا
کوئی نتیجہ ہی ہے کہ ہر کہ وہم کی عامیاناہ نگل افشانیوں پر وقت
بربا د کیا جائے۔ ہمارا کام یہ ہے کہ اصل الاصول۔ قرآن
سنت کی تعلیمات کو ان کی صحیح اسپرٹ میں پیش کرتے رہیں
اور صرف ایسے لوگوں کے فرمودات پر توجہ دین جن میں لہجے
اور سنجیدہ زبان میں علمی گفتگو کا سلیقہ بھی ہو۔ تجلی کا مستقل
مطالعہ کرنے والے گواہ ہیں کہ غلط عقائد و نظریات کے رد
میں ہم نے مفصل و مدلل تنقیدیں کی ہیں۔ دلیل کو دلیل سے کاٹنا
ہے اور قرآن و سنت کی تعلیمات کو ان کے اصلی رنگ اور مزاج
و مذاق کے مطابق پیش کرنے میں کوشاں رہے ہیں۔ پھر بھی اگر
آپ یا کوئی اور صاحب اس طرح کے بے بنیاد بے حیثیت
اور نصیرے درجے کے مضامین سے جن کا ایک نمونہ آپ کے سوال
میں پیش کیا ہے متاثر ہو کر یہ چاہیں کہ ہم براہ راست ان پر
نقد و تبصرہ کرتے رہیں تو یہ ہمارے لئے عملاً محال ہوگا اور
اسے ہمارے اکثر و بیشتر قارئین کا تمیں علمی مزاج بھی گوارا نہ
کر سکے گا۔

اہل بدعت کا یہ عام طریق ہے کہ وہ قرآن کی کسی آیت
یا احادیث میں سے کسی حدیث کو بوسے قرآن اور تمام مجموعہ
حدیث کی روشنی میں نہیں دیکھتے بلکہ قرآن و حدیث کی بنیادی
تعلیمات سے کٹ کر اور سیاق و سباق کو نظر انداز کر کے
اس کا ایک ایسا مفہوم تراشتے ہیں جو ان کے واہی عقائد و
انکار کی ترجمانی کرتا ہے حالانکہ اس کا ادنیٰ تعلق بھی اللہ اور
رسول کے فرمودات سے نہیں ہوتا بلکہ اکثر و بیشتر وہ اللہ اور
رسول کے صریح ارشادات کے خلاف خالص ابلسی طریقہ
شکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر ان لوگوں کی کج فہمی
دیکھئے کہ وہ آیات و احادیث تو انھیں نظر نہیں آئیں گی جن میں
صریح و حکم انداز میں صرف اور صرف اللہ کے عالم الغیب
ہونے کی تشریح و تفسیر ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی بشریت کا منہ کہ انہاں سے ہے۔ لیکن ایسی آیتیں اور حدیثیں
ان کے درد زبان ہوں گی جن سے بھینچ جان کر یہ ناسرت کیا جاسکے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عالم الغیب تھے۔ انھیں شکر کہنا غلط ہے۔
وغیر ذلک۔ قرآن کتنا ہی ہلکے پکڑے کہے کہ **اِنَّكَ كَمِثَّةٍ
رَّاحِلَةٍ مَّيْتَةٍ** (رہے بغیر تمہیں بھی مرنا ہے اور انھیں بھی مرنے ہے)
اللہ تعالیٰ کہتے ہی صریح لفظوں میں نسرانوں کے کھلے منہ
عَلَيْهَا فَاِنَّ (جو کچھ بھی زمین پر ہے فانی ہے) الفاظ وحی
کہتے ہی صریح و صاف ہوں کہ **كُلُّ نَفْسٍ ذَا نَفۡۃٌ مَّوۡتٌ**
(ہر جان کو موت کا حزا چکھنا ہے) لیکن ان لوگوں کی ذہنی
مگر اہوں کا یہ عالم ہے کہ جو مومن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات کا ذکر کر شیخ اور سیدھے سچے مسلمان کی طرح یہ
عقیدہ رکھتا ہو کہ ہر انسان کی طرح آخری پیغمبر نے بھی ایک
نہ ایک دن موت کا ذائقہ چکھا تھا۔ بس اسے یہ لوگ ہابی
اور گمراہ اور نہ جانے کیا کیا کہتے چلے جائیں گے۔ جب ایسی
صریح و حکم آیات کے باب میں ان کا یہ دطرہ ہے تو دیگر آیات
آحادیث اور لطیف حقائق کے بارے میں یہ جتنی بھی تحریف
تلبیس سے کام لیں کون ان کا ہاتھ پکڑ سکتا ہے۔

یہ شرارت بہت عام ہو گئی ہے کہ اہل بدعت سلف
خلف سے من گھڑت عقیدے منسوب کر کے متعدد کتابوں کے

کے نام لکھ دیتے ہیں۔ اس میں کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ یہ جو لے کر
یکسر غلط ہوتے ہیں۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ حوالے تو درست ہوتے
ہیں مگر اصل عبارت کا منشاء کچھ اور ہوتا ہے۔ مگر یہ اس کا
ترجمہ اپنے منشاء کے مطابق کرتے ہیں اور اسی ترجمے کو
اصل کا نام لے کر خوب اچھالتے ہیں۔ حد ہے کہ یہ متعدد علمائے
دیوبند کے بعض ایسے عقائد نقل کرتے ہیں جن کا تصور بھی ان کے
حیطہ خیال میں نہیں آیا اور ٹھاط سے ان کی کسی کتاب کا
بھی حوالہ نہ ڈالتے ہیں۔

اب ان تمام صورتوں میں نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جن با علم
اور فہم حضرات کو ان کی کمینگی اور شرارت کا پتا چل گیا انھوں
نے تو اتنا لٹوا اتنا لیرا جنوں پڑھ کر ٹھنڈی آہ بھری۔ لیکن
عوام کی غالب اکثریت کم علم ہے۔ کم علمی کے علاوہ ایسے ماحول
میں زندگی گزار رہی ہے جو شیطان کی کھینچی کے لئے نہایت
سازگار آب و ہوا رکھتا ہے۔ جو شوشرہ شیطان کی ذریت
نے چھوڑا وہ تو خوب پھل پھولا اور جو آواز شیطان کے کسی
دشمن نے اٹھائی وہ اسی طرح دب کر رہ گئی جس طرح ڈھیل
اور تاشوں کے گل خراڑے میں آذان کی آواز۔ بجا رہے
عوام کیا جانیں حوالے چھوٹے ہیں یا سچے۔ انھیں کیا معلوم
کس عبارت کا کیا مفہوم لیا گیا ہے اور کس جملے کو کہاں سے
اٹھا کر کہاں رکھا گیا ہے۔

اس تہیہ کے بعد سننے کے اول تو یہی بات بنیاداً
غلط ہے کہ کسی انسان کو ان معانی میں غوث کہا اور سمجھا جائے
جن معانی میں یہ لفظ شاہ عبدالقادر جیلانی کے لئے راجح
ہو گیا ہے۔ یہ بحث الگ ہے کہ چونکہ "غوث" اللہ کے اسماء حسنہ
میں شامل نہیں اس لئے غیر اللہ کو بھی یہ نام دیا جا سکتا ہے۔ ممکن
ہے ٹھیک قانونی اعتبار سے اس خطاب کا جو از نکل آئے لیکن
فی زمانہ جو تصورات اس لفظ سے وابستہ کر لئے گئے ہیں ان کے
غلط ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ خالی غوث سے بڑھ کر
غوث الثقلین کہنا اور بھی بڑی جسارت ہے۔ اتنا مبالغہ
آئینہ خطاب تو ہم نے اپنے اسلاف کے یہاں بھی مرتبہ اول
کا مراتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی نہیں دیکھا۔

اللہ کے بعد اگر کسی کا درجہ ہے تو ہمارے پیارے پیغمبر کا ہے۔
ان کا علم ان کی قوت ان کے اختیارات سارے جہان سے
بڑھ کر ہے لیکن غوث الثقلین وہ بھی نہیں۔ وہ بھی اللہ کے ایک
ایسے ہی بندے ہیں جو کسی کی حاجت روانی اور دستگیری میں
صرف ایک واسطہ بن سکتے ہیں۔ بالذات دستگیر حاجت بردار
نہیں بن سکتے۔ کون ہے جو اللہ کی حکمرانی میں شریک ہو سکے۔
کس کی مجال ہے جو اللہ کے اذن و رضا کے بغیر کسی کو کچھ نہ سکے
یا کسی سے کچھ چھین سکے۔ خدا ہی جاننے لوگ اللہ کے ایک
نیک بندے عبدالقادر جیلانی کو کس دلیل سے اس وجہ کا
غوث قرار دیتے ہیں۔ خود حضرت موصوف کی غنیۃ الطالبین
کا تو حرف حرف ایسے غلو آئینہ عقائد کی تردید کرتا ہے یہ قصیدہ
غوثیہ خود حضرت موصوف کا ہے بھی یا نہیں، یہی بات قطعی
نہیں۔ لوگ حضرت علیؑ کا دیوان اور خطبات گھڑ سکتے ہیں
تو شاہ جیلانی کا قصیدہ کیوں نہیں گھڑ سکتے۔ پورا زنگھڑیں
تو حذف و اضافے میں تو کوئی دستور ہی نہیں۔ پچھلا زمانہ
پریس کا تو تھا نہیں کہ حضرت جیلانیؑ نے اپنا قصیدہ تھاپ دیا
ہو اور کسی کو حذف و اضافے کا موقع نہ ملے۔ ابن عربیؒ کو ان
بنانے والی ذہنیت نے اور بھی طرح طرح کے کتب دکھائے
ہیں قصیدہ غوثیہ ہی کی تصنیف یا تحریف کو کسی شکل تھی۔

پھر نقل شدہ شعران کا ہو بھی تو آخر اس سے ایسا
کوئی اختیار کہاں نکلتا ہے جس سے حضرت موصوف کا غوث الثقلین
ہونا ثابت ہو۔ عینی عربی ہم نے پڑھی ہے اس کی روشنی میں
تو یہ شعر موصوف کے لئے کسی بھی مافوق البشر قدرت اختیار
کا منظر نہیں ہے۔ رہا قصیدۃ النعمان کا معاملہ۔ تو اول تو
یہی سب کو معلوم ہے کہ عقائد کا پتا چلانے کے لئے شعروں
کو دلیل نہیں بنا یا جاتا۔ بڑے سے بڑے اور بزرگ سے
بزرگ شاعر کے یہاں آپ دیکھیں گے کہ وہ محبوب کو اور
بعض اور لوگوں کو حاضر کے صیغے سے خطاب کرتا ہے، حالانکہ
مخاطب سامنے موجود نہیں ہوتا۔ اب اس سے آپ اس
شاعر کا یہ عقیدہ سمجھ سکتے ہیں کہ وہ مخاطبین کو حاضر و ناظر اور
عالم الغیب سمجھتا ہے تو یہ شعرے پن کے سو کیا ہو گا۔

دوسرے شعر کی زبان عموماً مبلغے اور اشارت استعارہ پر مبنی ہوتی ہے۔ شاعر محبوب کو رشک فخر کہتا ہے تو سچ سچ یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ محبوب کے لب و عارض میں چاند سے زیادہ روشنی دکھ رہا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ محبوب کے آنے سے میرے اندر جان آگئی اور وہ جلا گیا تو جان نکل گئی۔ کیا آپ کے حقیقت پر مبنی قرار دے سکیں گے؟

تیسرے قصیدۃ النعمان کا پیش کردہ فقرہ کسی ایسے شخص کا فقرہ نہیں ہے جسے ہم اور آپ نہ جانتے ہوں۔ انام صاحب کو دنیا جانتی ہے۔ ان کے عقائد و افکار سب پر واضح و آشکار ہیں۔ ان کے کسی فقرے سے ایسا ہی مفہوم نکالنا درست ہو سکتا ہے جو ان کے معلوم و معروف عقائد و تصورات سے ہم آہنگ ہو۔ مسلمات میں سے ہے کہ وہ ان تمام داہی عقائد سے بلند تھے جو آج کل کے نامہادستی حنفی دوستوں نے نظر رکھے ہیں۔ وہ نہ قیروں کا طواف کرتے تھے نہ ان پر دھونی بیا کر بیٹھتے تھے۔ نہ کبھی انھیں کسی نے یا رسول اللہ کا نصیرہ لگاتے سنا نہ انھوں نے کسی کو تعلیم دی کہ ضرورت کے وقت اللہ کی بجائے رسول اللہ سے مدد چاہو۔ ان کی فقہ اہل اکبر آج بھی موجود ہے اور وہی طاعلی قاری جن کے حوالے سے آپ کے اقتباس میں حضرت عبدالقادر جیلانیؒ کی طرف ایک من گھڑت قول منسوب کیا گیا ہے فقہ اہل اکبر کی تشریح میں ان باطل عقائد کی کھلی تردید کرتے ہیں جو اہل بدعت کے دماغوں میں بھرے ہوئے ہیں۔ اگر امام ابو حنیفہؒ نے کسی شعر میں وہ بات کہی بھی ہے جو فضل کی گئی تو اس سے شریعت نبوی کے نکات نکالنا اور شرک و زندقہ کو تقویت دینا میں ایسے ہی بوالغضو لوں کا کام ہو سکتا ہے جو اللہ کے نہیں اپنے دل و دماغ کے بچاری ہیں اور جن کا کلمہ نظر حق پرستی نہیں بلکہ اپنے تخیلات کی بیخ اور اپنے مزاجات کی پیروی ہے۔ مولانا اشرف علی نے اگر کبھی کچھ اشعار ایسے کہہ دیئے تھے جن سے استدلال کرنا اہل بدعت کے لئے ممکن ہو تو ایسا استدلال بھی مطلقاً نہ حرکت کے سوا کچھ نہ کہل سکتا۔ اڈل تو جیسا کہ ہم نے ابھی کہا شعروں سے عقائد اخذ نہیں کئے جاتے۔ اگر

اشعار عقائد کے درجے میں شمار ہو سکتے ہوں تو کوئی بھی شاعر کفر و زندقہ کے فتوے اور دیوانگی کے الزام سے نہ بچ سکتا۔ ہر شاعر کو آپ ہا ہا چل کہہ سکتے ہیں اگر اس کے اشعار کو غیبی اور منطقی کی ترازو میں تولی جائے۔

دوسرے ہر انسان مختلف اذہان سے گذرتا ہے۔ اگر ایک دور میں مولانا اشرف علیؒ نے جہاز ایسے شعر کہے بھی دیئے جو عقائد کی کسوٹی پر کھٹے سے کھٹے ثابت ہوں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اگر کوئی آدمی حنا نت و شرافت کو بالکل ہی بلائے، طاق نہ رکھدے تو کسی عالم کے عقائد جاننے کے لئے اس کے کبھی کبھار کے شعروں کی طرف رجوع نہیں کرے گا بلکہ ان ارشادات پر نظر کرے گا جو اس نے واقعہ عقائد ہی کے سلسلہ میں نکل کر صادر کئے ہیں۔ مولانا اشرف علیؒ کی کتابت میں مطبوعہ موجود ہیں۔ ان میں انھوں نے جگہ جگہ اصرار و تاکید کے ساتھ ان مسائل پر ایموں کی مذمت کی ہے جو اہل بدعت رسول اللہ کی شان میں کرتے ہیں۔ یا رسول اللہ کے نعرے کو وہ ممنوع قرار دیتے ہیں۔ قیام میلاد کو بدعت فرماتے ہیں۔ عرس و فاتحہ اور زید و نیاز کے ہنگاموں کو گمراہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ ذرا سوچئے تو وہ شخص کس قدر حق سے گمراہ اور اپنی غرض کا بنہ ہو گا جو ایک عالم کے صریح بیانات اور کھلے کھلے فرمودات کو تو نظر انداز کرے، مگر ڈھونڈ کے لائے اس کے شعر تاکہ ان کے ذریعہ یہ ثابت کرے کہ عالم موصوف بھی ہمارے ہی جیسا عقیدہ رکھتے تھے۔ یہی حرکت اہل بدعت قرآن و حدیث کے ساتھ کرتے ہیں یہی اقوال بزرگان کے ساتھ۔

قبر کے طواف کا سابق شاہ ولی اللہ کی طرف یقیناً غلط طور پر منسوب ہو گیا ہے۔ آخراں کی اور تصنیفات بھی تو موجود ہیں۔ بلاغ المبین ہی دیکھئے۔ کھلم کھلا تبریستی کا رد قبوری رسوم کی تردید اور اہل بدعت کے عقائد کا ابطال اس میں موجود ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں متعدد مقامات پر اسی نوع کی چیزیں ملیں گی۔ آخر کیسے مان لیا جائے کہ جو بزرگ قدیم قدم پر تبریستی کی مذمت کرتے ہیں وہی طواف قبر کا سبق دینے لگے جائینگے لیکن اگر ایسا ہوا ہے تو اسی طرح اس کی تائید کی جاسکتی۔

جس طرح بعض آیات کی تاویل دوسری آیات سے مطابقت دینے کے لئے کرنی ضروری ہے اور اگر تاویل ممکن نہ ہو تو صاف نہ سادہ سی بات ہے کہ وہ نبی نہیں تھے۔ سہو و خطا ان سے بھی ممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کسی رو میں وہ طواف قبر کا سبق دے گئے ہوں اور اس پر پھٹنا بھی ضروری تو نہیں کہ ان کا پھٹنا اور بھی تاسیح نے محفوظ کر لیا ہو۔ دلیل میں یہ ہے کہ ان کی متعدد کتابیں چھپی چھپائی موجود ہیں ان میں وہ قبر پرستی کی سخت مذمت اور نبوی آداب و رسوم کی بے گناہ تردید فرماتے ہیں۔

مولوی محمد علی نے یا کسی اور نے اگر الوسیلہ سے مراد مرشد کی بیعت لی ہے تو اس کے ذمے دار وہ خود ہیں۔ وہ خود نبی تو نہیں تھے کہ تفسیر انھوں نے کی وہی نقش کش کا کچھ ہوئی یا آیت ایک مفہوم عام بردال ہے۔ مرشد کی بیعت بھی الوسیلہ کے ذیل میں آ سکتی ہے بشرطیکہ وہ دائرۃ شریعت میں محدود ہو۔ لیکن یہ کہنا تو محض دھاندلی ہے کہ صرف بیعت ہی کو الوسیلہ کہا گیا ہے۔ ہم سلسلہ بیعت و ارشاد کو اصل غلط نہیں سمجھتے بلکہ ہمارے نظر میں مذکورہ نفس اور اصلاح باطن کیلئے شریعت کی بیڑیوں میں جکڑا ہوا بیعت و ارشاد کا سلسلہ یقیناً بہترین وسیلہ ہے اور وہ لوگ غلطی پر ہیں جو پیری مریدی کو ہر آئینہ غلط سمجھتے ہیں۔ مگر اس قول کو — چاہے وہ کسی قطب دور ان ہی کا کیوں نہ ہو — تجاوز عن الحد سمجھتے ہیں کہ وسیلے سے مراد مرشد کی بیعت ہے۔ اس آیت کے باب میں شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اپنے رسالے الوسیلہ میں جو کچھ تشریح و بسط سے لکھا ہے اسے پڑھ لیا جائے تو انشاء اللہ نافع ہو گا۔

یہ تو سوالات کا جواب ہوا۔ آخر میں یہ نصیحت سننے چاہیے کہ مطالعہ کے لئے صحیح لٹریچر کا انتخاب بھی اتنا ہی ضروری ہے جتنا پیٹ بھرنے کے لئے مناسب غذا کا انتخاب بجائے مفید و مقوی غذاؤں کے آپ گھانس پھینس اور مضر اشیاء کھاتے رہیں گے تو مفید و مقوی غذا میں بھی اپنی افادیت کھو دیں گی۔ کمیونسٹوں اور محسوسوں کے لٹریچر

کی کمی نہیں تو اہل بدعت کا لٹریچر کیوں کم ہونے لگا۔ آپ ”وسیلۃ الیاء“ جیسے مضامین چھاپنے والے رسالے اور کتابیں دیکھیں گے تو ذہنی انتشار اور فساد مزاج کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ وقت کی قدر کیجئے اور ایسا ہی لٹریچر دیکھتے جو ایمان و عمل کی اصلاح میں نافع اور عقل و بصیرت کو تقویت دینے والا ہو۔

اور ایک بات یہ بھی سمجھ لینے کی ہے کہ بے شک بعض اوسٹریچے درجے کے بزرگوں سے بھی کچھ ایسے اقوال صادر ہوتے رہے ہیں جن سے وحشت ہوتی ہے۔ تو یہ ان کی بزرگی میں مستراح نہیں اور اس میں حیرت کی بھی کوئی بات نہیں۔ قصور سے بالاتر ہوتا تو انبیاء کی شان ہے۔ باقی جملہ انسان غیر معصوم ہیں۔ شاہ عبدالقادر اور امام ابوحنیفہ تو کس شمار میں ہیں صحابہ رضوان اللہ علیہم سے بھی تصور سہو کا صدور ہوا ہے۔

حقائق کے سمندر میں زیادہ گہرائی تک خواہی کرنے کی ہمت ہو تو حضرت مجدد الف ثانیؒ قدس اللہ سرہ کے یہ الفاظ پڑھیے۔ مکتوبات جلد اول کے مکتوب ۷۱ میں فرمایا ہے:
 کون ذی روح القادر شیطان سے محفوظ نہیں ہے، جبکہ انبیاء تک میں یہ چیز نہ صرف مشہور بلکہ محقق اور ایسا بطریق اولیٰ خواہ بود۔ غایت باقی السباب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بر آں القادر متنبہ می سازند و باطل را از حق جدا می نمایند
 ہو تو ایسا ہی تو بطریق اولیٰ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام بر آں القادر شیطان پر متنبہ کر دیتے جاتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دیا جاتا ہے۔

دیکھا آپ نے۔ یہ کسی معمولی آدمی کا فرمودہ نہیں۔ اہل بدعت تو اپنی کیفیت سکرو غلو میں اس طرح کے نکات و واضح کرنے والوں کو دہائی اور گمراہ وغیرہ کہہ کر عقل و ہوش سے چھٹی پا جاتے ہیں، لیکن حق یہ ہے کہ شیطان کو اللہ نے بڑی قوت دی ہے۔ اس نے ہمارے مجدد احمد حضرت آدمؑ

ہی کو بہر کا ڈالا جو رب سے پہلے نبی تھے۔ پھر قرآن کو آنکھیں کھول کر دیکھئے۔ صاف معلوم ہو گا کہ شیطان برابر انبیاء کی گھمات میں رہا ہے اور کبھی نہ بھی انبیاء بھی اس کے ٹکڑے نہ کیا کسی درجے میں شکار ہوتے رہے ہیں۔ وہ تو چونکہ اللہ انبیاء کی نگرانی کرتا ہے اور ان کی لغزشوں کو واضح کر دیتا ہے اسلئے یہ لغزشیں آسمانی تعلیمات کو مشکوک نہیں ہونے سے سکتیں ان کا نہ ہر تیمان و تمبر کے باعث وحی کے حیدر اطر میں مرابت نہیں کر سکتا اللہ انبیاء علیہم السلام کو فوراً ہی رجوع الی الحق اور توبہ اور اصلاح کی توفیق مہیا فرماتا ہے۔

جب صورت حال یہ ہے تو خود سوچ لیجئے کہ اولیاء اور علمائے امت اور مشائخ و اقطاب کس شمار میں ہیں کہ انھیں کی شیطان کی زد سے باہر سمجھا لیا جائے۔ ہوشیار باش کہ جو نافرمان کسی بزرگ کا کوئی ایسا قول فعل سامنے لاتا ہے جس سے شریعت حقہ کے کسی حکم و عقیدے کی تردید اور عفتا تیر باطلہ کی تائید ہوتی ہو تو ناموں اور حوالوں کے رعب میں ہرگز مت آئیے۔ کیا بعید ہے کہ ایک بڑا بزرگ بڑا عالم، بڑا شیخ اپنے علمی سفراء و منازل سلوک میں کسی قدم پر بہک گیا ہو کبھی اس پر شریعت کا ضعف غالب آ گیا ہو کبھی اس سے غلط قول یا غیر مناسب عمل سرزد ہو گیا ہو۔ اس طرح کی چیزیں ہمارے لئے حجت نہیں۔ حجت ہے قرآن۔ حدیث، تعامل صحابہؓ، اجماع، قیاس صحیحہ۔ جرتے زمان تک کا یہ معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں محکمات پر تو حسیہ رکھو۔ مشابہات کے پیچھے دوڑنا دل کی ٹیڑھ کی علامت ہے۔ مشابہات کے چکر میں وہی پڑتے ہیں جن کے قلوب میں نریغ ہوتا ہے۔ تو انسانوں کا مقام تو بدرجہ اولیٰ یہ ہے کہ ان کے اسوۂ حسنہ سے فائدہ اٹھایا جائے اور ان کے سچیدہ اقوال و اعمال سے درگزر کیا جائے۔ شاہد علیؑ کی ملامت علی قاریؒ۔ شاہ عبدالقادر جیلانیؒ ہیں یا امام ابوحنیفہؒ۔ ان کی صریح و واضح ہدایات سے استفادہ لازم ہے، کیونکہ انھوں نے پوری دیانت اور پورے فکر و فہم کے ساتھ قرآن و سنت کی تفسیر و تشریح کی ہے اور ان کے ان اقوال کو چھوڑ دینا ہی

ضروری ہے جن کی کوئی ایسی تاویل و توجیہ ہم سے نہ ہو سکتی ہو جسے ان کے معلوم و معروف افکار و عقائد کے مطابق کہا جاسکے۔ محمد الف ثانیؒ جیسے امام و شیخ کے مکتوبات میں نظر کر کے تو معلوم ہو گا کہ فکر و فیصلے میں ان سے بھی بعض ایسی لغزشیں و ذرو گناہیں ہوتی رہی ہیں جن کا وہ خود ہی بعد میں اعتراف کر گئے ہیں۔

علیؑ نذرا شاہ ولی اللہؒ اور ملا علی قاریؒ جیسے افاضل سے بھی کبھی فکر و فیصلے میں چوک ہو سکتی ہے۔ کتنی عمری بات ہے کہ ایک شخص ان جلیل القدر اکابر کے مجموعی فکر، فکر، مباحثات، صریح و محکم ہدایات اور معلوم و معروف تعلیمات کو تو پس پشت ڈال دے مگر ڈھونڈ کر لائے وہ اقوال جن کی حیثیت نشاذ کی ہو انشاذ کا المعرفہ۔ نیکیاں، ایمانیوں کو کھو کر دیتی ہیں۔ اس طرح بڑے لوگوں کے فکری و عملی کارنامے ان کی اتفاقی لغزشوں اور بشری کمزوریوں کو ناقابل التفات بنا دیتے ہیں۔ محکم کلام و مشابہات کو اللہ کے حوالے کر دو۔ یہی ہے فکر کی بات۔

نذر لغیر اللہ

سوال ۱۰۔ از محمد ششم۔ نارتھ اراکٹ۔

بدعات کے رد میں جلی جو پارٹ ادا کر رہا ہے اس کا علم اندازہ نہیں ہوئی ہے۔ راقم الحروف اگرچہ شروع سے اس کا خریدار نہیں ہے، لیکن تقریباً ایک سال سے برابر خرید رہا ہے اور یقین یہ ہے کہ جب تک آخری سانس ہے اس کا ساتھ نہیں چھوٹے گا۔ یہ یقینی بات ہے کہ نذر نیا ز۔ جو آج کل بہت مروج ہے اس کے بارے میں بھی آپ نے پچھلے سالوں میں بہت کچھ لکھا ہو گا، لیکن مجھے فائل خیر نہیں ہے۔ اگر آجناج شروع سے سو ممبر شہادت تک کا مکمل فائل ہیٹا سہ ماہی تو اس کی جو بھی قیمت آپ سہ ماہی ادا کر دی جائے گی۔ یا پھر جلی کی ڈاک "کو کتابی شکل میں جلد از جلد چھاپ دیں۔ دونوں ہی صورتیں فوری طور پر ممکن نہ ہوں تو میری استدعا ہے کہ نذر کے بارے میں جلد کچھ ارقام فرمائیں، آج کل مزاروں، پیروں اور متبرک مقامات کے لئے نذریں ماننا عام ہے۔ آپ اس بارے میں کوئی جامع اصولی بات جلی میں ارقام فرمادیں تو اس کا فہم عام ہو گا۔ لیکن عقل کے

ساتھ کچھ نقل بھی ہو تو زیادہ مؤثر ہوگی۔

ابواب :-

جہاں تک تجلی کے فائل کا تعلق ہے تو پچھلے تمام سالوں کا تو کیا کسی ایک سال کا بھی مکمل فائل دفتری فائل کے سوا شاید ہی شکل سکے۔ جتنے فائل ہیتا کئے جانے ممکن تھے کئے جا چکے۔ اب اس سے معذوری ہے۔

اور تجلی کی ڈاک "کو کتابی شکل میں لانے کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے لئے تو مدت سے مخلصین و مخلصین کا اصرار جاری ہے اور خود عاجز کو بھی احساس ہے کہ یہ کام ضرور ہونا چاہیے۔ علم فہم، کردار و عمل اور سلیقہ و گفتار میں یہ ناچیز ہزار ناص و کوتاہی، لیکن علیہ قدرت کا تھران ہو گا اگر اس تحدیثِ نعمت میں نقل کیا جائے کہ "تجلی کی ڈاک" نے بے شمار قلوبے اذہان کو متاثر کیا ہے، اس کا بیج و پودہ از عصر حاضر کے فکری تقاضوں سے بہت قریب ہے اور اس کا مطالعہ کرنے والے لفظیہ تعالیٰ بہت سے غلط اور وہی عقائد و تصورات سے نکل کر ایسے مستقیم و معتدل افکار و عقائد پر ثابت قدم ہو گئے ہیں جنہیں فہم دین کی منزل دشوار کے لئے سنگ ہے میل کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ بڑی بات اللہ کے فضل سے یہ ہے کہ "تجلی کی ڈاک" نے بے شمار ذہنوں کو دینی مسائل میں سوچنے سمجھنے کا ایک خاص طرز و انداز دیا ہے۔ ایک غم دکھایا ہے ایک ایسا شعور دیا ہے جو ان کے فکر و بصیرت کو باطل سے حق کی طرف لے جانے میں ایک داخلی عامل کا کام دیتا ہے۔ یہ تحدیثِ نعمت اگر خوب و غرور اور خود پسندی و کبر کی ناپاکی سے ملوث ہے تو یہ بندہ عاجز اس سے ہزار بار خدا کی پناہ مانگتا ہے اور صاف صاف یہ بھی اقرار کرتا ہے کہ مسائل کی تفتیح و توجیہ میں اس سے بہت سی غلطیاں، لغزشیں اور فرد گزشتہیں بھی ضرور ہوئی ہوں گی۔ اسی لئے "تجلی کی ڈاک" کو کتابی شکل دینے کے لئے اتنی فرصت کا ہیتا ہونا ضروری ہے جس میں اس پر نظر ثانی ہو سکے اور پھر ترمیم و توبیح کے ساتھ یہ آپ حضرات کے سامنے آئے۔ یہ فرصت باوجود سعی بسیار کے نصیب نہیں ہو رہی ہے۔ اور سچ پوچھتے تو یہ ہے نصیبی

در اصل بے توفیقی کی ایک شکل ہے۔ توفیق اللہ عطا کرتا ہے۔ بندہ کس شمار میں ہے کہ اپنے ارادوں کو عملی جامہ پہنا سکے۔ عاجز کو یقین ہے کہ اگر اپنے ہی عمل و کردار میں بدترین خامیاں اور اپنے ہی حسن نیت میں شرمناک فتور نہ ہوتا تو اس کا خیر کے لئے وقت میں اتنی برکت ضرور ہو جاتی کہ کبھی کا یہ انجام آیا جاتا۔ لیکن جب بندہ گستاخوں میں ملوث اور کفرانِ نعمت میں بدست ہو جاتا ہے تو اس سے توفیق خیر اٹھالی جاتی ہے۔ گو کہ اللہ کی نافرمانی اس بد بخت سے ابھی اتنی زیادہ نہیں ہے کہ سارے ہی امور خیر کی توفیق اس سے ضبط کر لی گئی ہو۔ یہ تجلی کے صفحات پر جو برا بھلا مواد ہر ماہ پیش کر دیا جاتا ہے یہ بھی اللہ کی دی ہوئی توفیق ہی کا ثمرہ ہے تاہم توفیق مزید کے لئے اللہ کی طرف رجوعِ خالص کی ضرورت ہے اور یہ نعمت جسے مل جائے اس کے لئے امور خیر کی انجام دہی میں کوئی رکاوٹ نہیں۔ فَسَيَسِّرُهُ لَكَ يَسْرًا۔

اصل سوال کا جواب دینے کی بجائے یہ لا حاصل سی داستانِ میرانی دراصل ان بے شمار مخلصین و مخلصین کی کاہلی کے لئے کی گئی ہے جو بار بار مجھے توجہ دلاتے ہیں کہ تجلی کی ڈاک کو کتابی شکل میں لانا ضروری ہے۔

رہا سوال کا جواب تو بے شک نذر و نیاز کے باب میں متعدد بار لکھا جا چکا ہے۔ یہاں بقدر ضرورت کچھ اور لکھتا ہوں۔ نذر کے دو پہلو ہیں۔ ایک یہ کہ آیا وہ جائز ہے یا نہیں۔ دوسرا یہ کہ اس میں کوئی فائدہ یا نہیں فائدہ ہونے نہ ہونے کے بارے میں میں احادیث کے حوالے سے تجلی میں واضح کر چکا ہوں کہ فی الحقیقت یہ کوئی ذاتی اور داخلی منفعت نہیں رکھتی۔ مثلاً آپ یوں کہیں کہ لے اللہ اگر آپ نے میرے بھائی کو فلاں ملازمت دلوا دی تو میں بچاؤں غریبوں کو کھانا کھلاؤں گا۔ یہ نذر بلا ثمرہ جائز ہے۔ اس کے پورا کرنے میں ثواب بھی ملے گا۔ لیکن یہ ثواب دراصل نذر کا نہیں ہے اتفاق کا ہے۔ محتاجوں کے اعطام کا آپ نذر ماننے بغیر بھی بچاؤں کا بیٹ بھردیں تو اس کا

ثواب شہ سے بالاتر ہوگا۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو نذر کی صورت
 میں ثواب کم اور بلا نذر کے ثواب زیادہ ملنا چاہئے۔ نذر تو
 گویا ایک طرح کی قیمت تھی اس مقصد کی جس کے لئے آپ نے اسے
 مانا تھا۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہئے کہ آپ نے اللہ سے
 ایک سود ادا کر دی۔ بات ختم۔ پچاس مسکینوں کو کھانا کھلانے
 کا مقصود حصول ثواب نہیں تھا بھائی کی ملازمت تھی۔
 بدلے میں آپ خالص ثواب آخرت کے خواہاں نہیں تھے
 ایک دنیاوی غرض پیش نظر تھی۔ اسی صورت میں عقل و
 انصاف کا فیصلہ ظاہر ہے یہی ہونا چاہئے کہ آپ کو ثواب
 آخرت یا تو ملے ہی نہیں یا ملے تو اس شخص سے بہر حال کم
 ملے جس نے کوئی سود اپنے بغیر کسی دنیاوی مقصد کو سامنے
 رکھے بدون پچاس غریبوں کا پیٹ اللہ کی رضا اور ثواب
 آخرت کی نیت سے بھر دیا۔

اگر یہ استدلال و تفکر درست ہے تو نذر کافی حد
 ذات پر غیر مفید بلکہ نسبتاً ضرور رساں ہونا بالکل واضح ہو گیا
 اور ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ چونکہ ہم نے نذر مانی تھی اس لئے فلاں
 کام ہو گیا اگر نہ مانتے تو نہ ہوتا۔ العباد باللہ۔ پچاس کیا پچاس لاکھ
 غریبوں کا پیٹ بھر کبھی ہم اللہ پر کوئی احسان نہیں کرتے۔
 یہ تو خود اپنے اوپر احسان ہے۔ اس کا فائدہ جو کچھ پہنچا ہے
 ہمیں ہی پہنچا ہے۔ پھر یہ کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ فلاں کام
 اللہ نے اس لئے کر دیا کہ ہم نے نذر مانی تھی۔ نذر نہ مانتے جب
 بھی وہ کام ضرور ہوتا اگر اللہ نے اس کا ہونا مقدر فرما دیا تھا
 اللہ تعالیٰ دعا کی قبولیت کے لئے قلب زمین کا انصریح دیکھتا
 ہے خشوع و حضور دیکھتا ہے۔ یہ نہیں دیکھتا کہ بندہ اپنے مقصود و
 مطلوب کی قیمت کیا لگا رہا ہے۔ قیمت کو تو وہ دیکھے جو کسی درجے
 میں حاجت مند ہو۔ **وَدَيْدًا حَرَامًا مِّنَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ**۔
 اللہ غنی و مالک پر بھلا کسی شے کے عطا کرنے میں پرہیز کیا اگر نہ کی
 کہ مانگنے والا ہزار مسکینوں کے اطعام یا دس مساجد کی تعمیر یا پچاس
 جانوروں کی قربانی کا وعدہ کر رہا ہے۔ کلو کلو۔ کبھی نہ سمجھو کہ
 فلاں کام نذر ماننے کی وجہ سے ہو گیا۔ حرمت شرعیہ سے خالی نذرین

بے شک جائز ہیں، لیکن عاجز بننے کبھی نذر نہیں مانی اور شاید
 کبھی ماننے کا بھی نہیں۔ بندہ آخر گروہ میں رکھتا کیسے جو وہ اللہ
 سے سودا کرے۔ اللہ سے کچھ لینے کے لئے کسی قیمت کی پیش کش
 کرے۔ بندہ تو اس لائق ہے کہ جب اپنے رب کے آگے ہاتھ پھیلا
 تو اس نقیب و احسان کے ساتھ پھیلائے کہ وہ شرت خاک سے بغیر و
 محتاج ہے۔ خالی ہاتھ ہے۔ بے مایہ ہے۔ اللہ کے ان لائق ہی
 انعامات ہی کی کوئی قیمت وہ ادا نہیں کر سکتا جو بے طلبہ پر
 برسا دیتے گئے ہیں۔ پھر کسی نئے العا کسی مزید عطیے کی قیمت
 وہ کہاں سے کس طرح پیش کر دے گا۔ نقیب جانو صرف ایک سالہ
 کی قیمت بھی تم ہرگز ادا نہیں کر سکتے۔ پھر کیا طوق تہا شاہ ہے کہ
 یکسر تہی دامن ہو کبھی اللہ سے سودا کرنے کی فکر میں ہو۔
 جب خالی ہے اور کہہ رہے ہو کہ ہمیں فلاں چیز قیمتاً دیدہ تھی
 فرض کے بوجھ میں دے رہے ہو مگر غلط ظن یہ ہے کہ عطیے
 ربانی کی بہا پیش کرو گے۔

نہیں بھائی۔ اپنے فکر و فہم نے تو ہمیشہ اس سے ابا
 کیا کہ نذر مان کر کوئی دعا کی جائے۔ جو کچھ ہم اطاعت و عبادت
 اور اتفاق کر سکتے ہیں وہ ہمیں سودے سے بالاتر ہو کر بنا چاہئے
 پچاس مسکینوں کی حاجت بردانی اگر ہمارے بس میں ہے تو اسے
 تمہی دعا اور مانگ سے بھی کرنا اور مقدر بھر عمل خیر کو اس پر
 معلق رکھنا کہ اللہ ہماری فلاں مراد پوری کر دے تب اسے
 انجام دیں کچھ ایسے معنی رکھتا ہے جیسے اب تک جو کچھ اللہ نے
 ہمیں ازراہ فضل و کرم دے رکھا ہے اس کی قیمت تو ادا کر چکے۔
 اس کا حق تو پورا ہوا۔ اب مزید دولت و قوت جو ہمارے
 پاس ہے اسے اس کی راہ میں جمع کر لیں گے جب وہ
 کچھ اور ہمیں دے۔ کیسا کمزور ہے یہ تحلیل کیسا غلط اور لغو۔
 تاہم یہ ہمارے ذاتی احساسات و انکار ہیں۔ فقط کا
 جہاں تک تعلق ہے اسی تمام نذرین جائز ہیں جن میں کوئی شرعی
 قیاحت نہ ہو اور چونکہ عہد کو پورا کرنا اخلاق و کردار کے لئے
 ضروری ہے اس لئے جائز نذرین کو پورا کرنا بھی ضرور چاہئے
 ویسے نذر کا صحیح اطلاق صرف ان نعمتوں پر ہوتا ہے جن سے
 اللہ کی خوشنودی مطلوب ہو۔ حدیث میں آیا ہے۔

انما النذاری لا تبغی بہ
الذی وجہ اللہ و سدا م احمد

نذر وہی ہے جس کا مقصود
نوشہ نذری ہی رب ہو۔

سنن ابوداؤد میں ایک واقعہ آیا ہے :-

ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ

ان سرجلو نذارات

ظلم مقام پر اونٹ ذبح

تینھرا ایلا فی موضع

کرتے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم

کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت

”ہل فیہ وثن من اذنان

کے بتوں میں سے کوئی بت ہے

الجاہلیۃ تعبدہ قال

جسکی پرستش کی جاتی ہو۔ اس نے

لا اقال“ اذین بندرت

جو ابدی تھی نہیں الیسا تو نہیں ہے

+ + + +

حضور نے فرمایا۔ تو جانو نذر پڑوگا

+ + + +

کرد۔“

+ + + +

چونکہ قربانی کرنا بجائے خود فعل نیک ہے اس لئے اس

کی تمت پوری کرنی چاہئے لیکن کسی استخوان کسی ہڈی سے

پر قربانی فعل حرام ہے اس لئے اللہ کے رسول نے تصریح

طلب کی۔ اگر جواب اس کے خلاف ہوتا تو شخص نذر کو روکنے

دیا تو ظاہر ہے اللہ کے رسول منع فرمادیتے۔

اب ذرا ان نذروں پر نگاہ غور ڈالئے جو نبی زمانہ

قبوری شریعت کے دائرے میں رائج ہیں۔ ہر وہ شخص

جس کے ذہن کو شیطان نے فاسد نہ کر دیا ہو خوب جانتا

ہے کہ صرف پتھر کے بت پوجنا ہی شرک نہیں بلکہ اللہ

کے سوا کسی کی بھی پرستش شرک ہے حتیٰ کہ جو شخص رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو اولی صفات سے متصف کرے وہ

بھی شرک ہے بلکہ میں کہتا ہوں کہ بت پوجنے والوں کے شرک

میں ایک گنجائش تاویل بھی ہے۔ بے جان پتھروں کے

متعلق احمق سے احمق آدمی بھی یقین نہیں کر سکتا کہ یہ بت ہمارے

ہی ہاتھوں کے گھڑے ہوئے جسے فی الواقع معبود ہیں بلکہ وہ

انھیں ایک طرح کا واسطہ اور ظہر خیالی کر کے سرعبودیت

جھکا تا ہے، لیکن انسان چونکہ ذی روح ہے، ذی قوت ہے

ذی ارادہ ہے اس لئے اگر کسی زندہ یا مردہ انسان سے

ہماری عقیدت مندیاں مناسب حدود سے گذر جائیں

تو ہمارے قلب و ذہن میں اس باطل خیال کے جس کو ہم

پوجتے ہیں کے بہت زیادہ امرکانت ہیں کہ یہ انسان پوجا

نہیں کرتا اور دستگیر ہے۔ غوث و حاجت روا ہے۔ پھر جب

اس سے کچھ گہرا نہیں بھی صادر ہوتی ہوں، یا غلٹے عقیدت

سے بعض سادہ امور کو کرامت کا رنگ لے کر اس سے

منسوب کر دیا ہوتا تو اس کا بہت زیادہ خطرہ ہے کہ شرک

کی حالت تک اس کے اقتدار و اختیار کا تحلیل ضعیف لا عقائد

اور توہم پرست دماغوں پر چھایا جائے۔ اس کی مثال ایس

بہت ہیں۔ معمولی سی مثال شاہ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ

سمرہ العزیز کی لے لیجئے۔ لوگ انھیں غوث لا اعظم کہتے

ہیں اور اس سے بھی پرہیز نہیں بھرتا تو غوث اشقیلیں

دانس و جن کے دستگیر کا لقب تراستے ہیں، صرف جہاں

ہی نہیں کتنے ہی پڑھے لکھے حضرات اور کتنے ہی صوفیائے

کرام حضرت موصوف کے بارے میں حد سے متجاوز عقیدت

کا شکار ہیں اور عجب ہے کہ باعبدالقادر سیدنا اللہ کا

صریح شکرگانہ وظیفہ تک اس ملکیت مسلمہ میں رائج ہو گیا

ہے جس کا پہلا فرض ہی یہ تھا کہ ایسے ہر شرک و طغیان کو بیچ و

بن سے اکھاڑ پھینکے۔

ان گوشوں کو نگاہ میں رکھا جائے تو اس نتیجے پر پہنچے

میں دشواری نہیں ہوگی کہ یہ جو مرحوم بزرگوں کی تبر و تبر

درگاہیں بنائی گئی ہیں ان کی ششاعت زمانہ جاہلیت کے

استحاثوں سے کم نہیں بلکہ کچھ زیادہ ہی ہے اور نذر و نیساز

استغاثہ و استمداد، مراقبہ و طواف اور عرس و اجتماع

کی عروج و شکستیں اس سے بھی بڑھ کر فیج و نجس ہیں جنہی ذرا

جاہلیت کے استحاثوں اور صنم کدوں پر تھیں۔

آج بے شمار جاہل و نیم جاہل مسلمان۔ جنکی قیادت

رہنمائی کا سہرا اخیر سے علماء ہی کے سر ہے۔ بے تکلف

ایسی نذریں ملتے ہیں جن کا پورا کرنا کسی درگاہ اور مزار

سے معقد ہوتا ہے۔ تو کیا شریعت کی نظر میں یہ زمانہ جاہلیت

کے توہم پرست، گمراہ اور بے عقل مشرکین سے کم کسی عمل کے

مترکب ہونے ہیں! — نہیں یہ ان سے بھی آگے ہیں — وہ بہر حال اتنی تو جہر ضرور کرتے تھے کہ یہ ہائے تراشیدہ بہت سیلہ ہیں، مٹھریں، بانڈرات، قادر و معبود نہیں۔ قرآن گواہ ہے کہ اکثریت پر رت لینے، تموں سے اوپر بھی ایک تادیرہ قوت کا تصور ضرور رکھتے تھے۔ وہ مانتے تھے کہ پیدا کرنے اور مارنے والا کوئی اور ہے۔ بارش کوئی اور برساتا ہے۔ اولاد کوئی اور دیتا ہے۔ وغیرہ لک۔ لیکن آج کل کی دکانوں نے تو غضب یہ ڈھالی ہے کہ ناپختہ اور جاہل و نیم جاہل مسلمانوں کے ذہنوں پر اہل قیور کی بالذات کار سازی و الوہیت مسلط کر دی ہے۔ سید ختی کے اٹے یہ سمجھتے ہیں کہ صاحب قبر چاہیں تو اولاد سے لیکر نوکری تک اور عشق کی کامیابی سے لیکر سودی قرضہ وصول ہونے تک ہر اختیار و قدرت ان کی کنیر ہے۔ وہ بجائے خود قوت و اقتدار کا حشر شہرہ اور فوق البشر اوصاف و ملکات کا مصدر و منبع ہیں۔ سقفا سقفا۔

خوب سمجھ لو۔ نذر و نیاز کے وہ سانس ہنگامے اور مراسم و آداب جن کا تعلق مزاروں اور درگاہوں سے ہے اور ہر وہ نذر جو غیر اللہ کے نام پر یا غیر اللہ کی خوشنودی کیلئے مانگی گئی ہے، احرام الحرام ہے۔ یہ تاویل حد درجہ رکیکتا ہے کہ صاحب قبر یا تو ہم نے اللہ ہی کا نام لیکر لیا، لیکن کی ہے فلاں بزرگ کے لئے۔ وہ چونکہ اللہ کے مقرب اور برگزیدہ ہیں اس لئے انھیں خوش کر کے اللہ ہی کو خوش کرنا مقصود ہے۔ نذر مانو تو اللہ ہی براہ راست خوشنودی و رخصت کے لئے مانو۔ کیا نہیں دیکھتے کہ شہر آن بار بار دین خالص کا مطالبہ کر رہا ہے۔ اسکا فرمان ہے کہ **فَاعْبُدِ اللہَ مَحْلِصًا لِّہِ الذِّیْنِ**۔ یہ آخر بندگی کے ساتھ اخلاص کی قید کیا یوں ہی ہے۔ قید بھی کسی۔ کہا جاتا ہے **اَلذِّیْنِ الذِّیْنِ الخَالِصِ**۔ ہوشیار ہو جاؤ۔ کان کھول کر سن لو۔ اللہ ہی کے لئے ہے۔ صرف اور صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ جن خالص پھر جس ہی نہیں پہلوں کو بھی حکم عبادت اسی قید کیا تھا دیا گیا تھا۔ **وَمَا اَوْفُوا الذِّیْنَ عِبُدُوا** اور انھیں ہی حکم دیا گیا تھا کہ بزرگی **اللہَ مَحْلِصِیْنَ لِمَا الذِّیْنِ** کریں اللہ کی دین کو اسی کیلئے خاص کرنے پر تیار ہوئے۔ **حَقِّقًا**۔

آخر ذرا سوچو یہ اخلاص و حقیقت کی قیدیں کیا اقتضاء اور مفہوم رکھتی ہیں۔ علیٰ غلبی بندگی تو کافر و مشرک بھی کرتے ہیں۔ تادیرہ آسمانی معبود۔ جھگڑا، ان، الشوریہ گاڈ وغیرہ کے ناموں سے تو اہل ہنود اور یہود و نصاریٰ کے بھی ہیں۔ فقط توحید خالص اور مکمل تردید مشرک ہی تو ہے جو ملت مسلمہ کو دوسری تمام ملتوں سے جدا کرتی ہے۔ توحید خالص کہاں تحقق ہو سکتی ہے اگر مسلمان زبان اور عمل دونوں سے وہی اعتراف نہ کرے جو اللہ نے اپنے آخری رسول سے کر لیا تھا کہ۔

حَسْبِيَ اللہُ اَعْبُدُہُ مَحْلِصًا کہہ دے میں تو اللہ ہی کی بندگی کرتا **لَا اَدْعُو بِنَحْوِ فَاہِکُمْ وَاَنَا** ہوں بالکل خالص کرتے مجھے اپنے دین **شَکِّکُمْ مِّنْ دُونِہِ**۔ کو تم پوجے جاؤ جسے پوجتے ہو اللہ کے سوا۔ گروہ سے باندھ لو کہ علیٰ غلبی بندگی بائیکاٹ لم بزل میں مرد ہے سچے مومن اسی وقت ہو گے جب ہر طرف سے کٹ کر صرف اللہ اور صرف اللہ ہی کے آستانے پر سر جھکا دو گے۔ ایسا سر جس کے ساتھ دل و دماغ اور روح سب جھک جاتے ہیں جس سر کے ساتھ انسان کا تمام وجود، پورا باطن زجھک جاتے اس پر اللہ کا آستانہ لعنت بھیجتا ہے۔ کیا تم نے نہیں سنا کہ اللہ کے رسول نے فرمایا ہے کہتے ہی بد بخت ایسے ہیں جو قرآن پڑھتے ہیں مگر قرآن ان پر لعنت کرتا ہے۔ اسی طرح کہتے ہی بد نصیب ایسے ہیں جو توحید کا دعویٰ کرتے ہوئے اللہ کے آگے سر جھکاتے ہیں، لیکن اللہ اور اسکے فرشتے ان پر لعنت کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی پیشانیوں دو سروں کے آگے جھکنے کی ناپاکی سے بھی ملوث ہیں۔ ان کے کام نہ سوسیں غیر اللہ کی نیاز مندی و عبودیت کا بھی سودا سمایا ہے۔ **خدا یا تیری پرناہ۔**

جہاں تک دلائل عقلیہ کا تعلق ہے عاجز و تنہا تو تھا انھیں تجلی کے صفحات میں پیش کرتا رہا ہے۔ قرآن کی دسیوں آیات اور سیدالار برار صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے فرمودات سن چھاننی کے لئے ٹھہر بولتی بسلیں ہیں۔ حد درجہ افسوس ہے کہ جو لوگ نذر و نیاز اور دین قیوری کے پھر میں آئے ہوتے ہیں وہ زیادہ تر وہی ہیں جو اپنے تخیل سے کٹھن اور اپنیٹے ہیں، حالانکہ جس طرح اللہ جل و علا مشرکین کے شرک سے بلند و برتر ہے اسی طرح حقیقت

ان عبادات و بدعات سے بھر بری الذمہ ہے۔ ریسس لظاہر
حضرت امام ابوحنیفہ کے فکر و عقیدے کا اندازہ تو اس سے لگائیے
کہ ایک واقعہ کسی ستروں سے مختلف کتابوں میں بیان کیا جاتا
ہے جس میں امام موصوف نے قبر پر اگر صاحب قبر سے دعائی
درخواست کرنے والے ایک شخص سے فرمایا:-

”ترے ہاتھ خاک آلود ہوں۔ تو ان کو آواز دیتا اور
ان سے مدد چاہتا ہے جو نہ جواب دینے پر قادر ہیں نہ کسی اور چیز
پر۔ بلکہ وہ تو سن بھی نہیں سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ خود رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَوَسَّأَنْتَ
بِمُسْمِعٍ مِّنَ الْغُبُورِ۔ سہ محمد! تو قبر میں پڑے ہوؤں
کو نہیں سنا سکتا۔“

”قاضی خٹا“ میں امام موصوف کا واضح فتویٰ
موجود ہے کہ قبر کو پختہ بنانا تو درکنار اسے لیسا بھی نہ جائے نہ
اس پر عمارت بنائی جائے۔ اور کبیری میں ان کا فیصلہ نقل
ہوا ہے کہ قبر کے پاس مسجد بنانا یا اور کسی طرح کا تعمیری نشان
قائم کرنا اسے سجانا ناجائز نہیں ہے۔

مشہور حنفی عالم شراح مشکوٰۃ مولا علی قادری المتقاة
میں فرماتے ہیں کہ قبر پر جو عمارت بنا دی گئی ہو اسے ڈھا
دینا واجب ہے چاہے وہ مسجد ہی کیوں نہ ہو۔
نذر و نیاز کے بارے میں حنفی فکر و عقیدے کا مخلص
بہا لوائی میں حنفی عالم ابن طلوبغ کی شرح درر البیاس
سے نقل کرتے ہوئے یوں بیان کیا گیا ہے۔

الذکر المذی یقع الاموات
من اکثر العیاد و ما یوجد
من التعمیر و الزيت و زحوا
الی ضمائرہم الا و لیا و الکرم
تقری یا الیسم فہو بالاصحاح
حرام لوجہ منھا انما
نذر لمخلوق و انما
للمخلوق لا یجوز انما
عبادۃ و العبادۃ لا یكون

یہ جو بہت سے حرم مردوں کے لئے
نذریں آتے ہیں اور عین و درجہ
وغیرہ تقرب حاصل کرنے کے خیال
سے اولیا و کرم کی قبروں پر
روش کرتے ہیں وہ فق علیہ طور
پر حرام ہے۔ اس حرمت کی متعدد
وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مخلوق کی
نذر ہے اور مخلوق کی نذر جائز نہیں
کیونکہ نذر ایک طرح کی عبادت ہے

للمخلوق و منصات
المذبح و سائرہ میت
والامیت لا یمنک و زحوا
انہ یظن ان العیت تصفون
فی اللہ و دون اللہ الاعتقاد
ذات کفر۔

+ + + +
+ + + +

گو یا نذر بغیر اللہ تو اعتراف کے نزدیک ایسا فعل حرام
ہے جس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ جب صورت حال
یہ ہے تو اندازہ فرمائیے کہ پھیپھڑوں کی پوری قوت کے ساتھ
حنفی، شیعہ اور اہل سنت و الجماعت ہونے کا دعویٰ کرنے
والوں کا لفاظی و زندہ تر کن حرا حل میں ہے کہ قبروں پر سائے
ہونے سے شیعہ اور عمارتیں تو ان کے لئے نعوذ باللہ من ذلک
مکہ اور مدینہ بھی ہوتی ہیں۔ وہاں عسی کچھ آرائش کی جاتی
ہے وہ بھی سب کو معلوم ہے۔ وہاں میں لگتے ہیں دو خواہ
میں کی جاتی ہیں، پھول اور چادریں چڑھتی ہیں، عرس
ہوتے ہیں، وہاں کسے نذریں مانی جاتی ہیں، چراغان
کیا جاتا ہے۔ کوئی ذہنی و عملی مشرک ایسا نہیں جس کی کیسلیں
ان نام نہاد حنفیوں نے نہ کر دی ہو۔ قوسے کی زبان میں ہم
ابھیں مشرک نہیں کہہ سکتے کیونکہ یہ اپنے کرتوتوں کی تائیس
کرتے ہیں، لیکن اللہ کو اگر تاویل اور حرب زبانی سے دھوکا
نہیں دیا جاسکتا تو سخت اندیشہ ہے کہ آخرت میں ان لوگوں
کا انجام بڑا اور دکھناک ہوگا۔

کی الذی یزنا یحذروا من
ذوینہ او لیا عما تعبہم
الذی یقرئ یؤنا الی اللہ
رغنی ان اللہ یحکم
کبنا ہم فیما ہم فیہا
یحکم لقرآن ان اللہ لا
یعنی من ہو کذب کفارا

اور عبادت مخلوق کیلئے نہیں ہوتی
ایکسا کہ جس کیلئے نذر مانی جاتی
ہے وہ تو مردہ ہے اور مردہ کسی
بھی شے کا مالک نہیں ہوتا
ذات کہ اس طرح کی سرکوتوں سے یہ
غلط فہمی رواج پاتی ہے کہ کٹر مردہ
بزرگ مختلف امور میں تصرف اختیار
کرتے ہیں اور یہ عقائد رکھنا کفر

اور جن لوگوں نے اللہ کے سوا اور
کو اسلئے مدگار و کار ساز بنا رکھا
ہے کہ ہم تو انکی بندگی اللہ خصوصی
تقر حاصل کرنے کیلئے کرتے ہیں
انکی اختلاف رائیوں کا فیصلہ اللہ
ضرور کریگا۔ اللہ جل شانہ ان لوگوں
کو تہمت نہیں دیتا جو چھوٹے اسکرے ہو

اس سے بڑا جھوٹ اور اس سے بدتر ناشکری اور کیا ہوگی کہ آدمی اللہ سے مانگنے کی بجائے قبروں پر ناک گڑھے اور اللہ کے ان نیک بندوں کو خدائی صفات سے متصف کر چھوڑے جن کی نیکی کا سنگ بنیاد ہی یہ خیال و عقیدہ

تھا کہ ہم کچھ نہیں ہیں اللہ ہی سب کچھ ہے۔ ہم بے اختیار محتاج نا طاقت ہیں اور اللہ فنا رکھ، قادر و توانا اور مالک و معبود ہے! وہو العزیز الحکیم۔

چشمہ چشمہ چشمہ

ایضہ حقیقت نما مصنفہ: مورخ اسلام مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی

ہند اور مغربی موزمبین گذشتہ برسوں سے ہندوستان پر مسلم فاتحین کے حالات کو تصعب زہر میں بچھے ہوئے قلم سے لکھ کر پیش کر رہے تھے اور مسلمان حکمرانوں کی ساری خوبیاں و خوبیاں ہو کر رہ گئی تھیں۔ ایسے میں مورخ اسلام نے حقیقت قلم اٹھایا اور تمام الزامات کا مدلل اور دندان شکن جواب تاریخ کی روشنی میں لکھا جو "آئینہ حقیقت نما" کے نام سے پیش کیا۔ یہ کتاب حیرت انگیز تاریخی معلومات کا خزانہ ہے۔ قیمت مکمل جلد بارہ روپے۔

البراکہ مصنفہ: مولانا عبدالرزاق کاتبوری

عالم اسلام کے نامور ذرہ خالد برکی بھٹی برکی اور جعفر برکی کون تھے انھوں نے عہد عباسیہ میں کیا کیا کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان دانشور اور مدبر ذہنوں کے عروج و زوال کی حیرت انگیز و حیرت انگیز داستان مکمل جلد بارہ روپے

سفینۃ الاولیاء کتاب۔ سفینۃ الاولیاء کا

سبب و احوال اور ترجمہ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدین و امام اعظم ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل، امام ابو یوسف، امام مالک بن انس و امام شافعی و ائمہ اثناعشری و ازواج مطہرات و اسلام کی مشہور و نیک خواتین اور اولیاء کو کم کے جامع حالات از تاریخ و ولادت تا تاریخ وفات کو مستند ماخذوں سے جمع کیا گیا ہے۔

قیمت جلد چھ روپے بارہ آنے۔

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ حضرت مجدد اعظم

فکر و نظر کی تشریح و توضیح۔ انہی۔ علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم کی زندگی اور انکے قیمت جلد چار روپے پچاس نئے پیسے۔

مقالات جمال الدین افغانی چودھویں صدی

جمال الدین افغانی کے زندگی، افروز و ولولہ انگیز روح پرورد عزم آفرین اور دایمانہ عربی خطبات و مقالات کا ششہ اردو ترجمہ۔ جلد چار روپے۔

نظام الملک سی الپ ارسلان کے وزیر کبیر ابوعلی حسن

بن علی کی بسوس سوانح عمری۔ قابل اعتماد تاریخی مواد۔ مؤلفہ: مولوی عبدالرزاق صاحب کاتبوری مصنف البوامکہ۔ قیمت بارہ روپے۔

تاریخ اسلام کے حیرت انگیز حقائق تاریخ کے بعض عجیب

واقعات کا عبرت آموز مسان۔ قیمت تین روپے۔ مشہور فرانسسیسی ستاح ڈاکٹر برنیر کا بارہ سال

اور عہد اورنگ زیب روزنامہ ۱۶۵۶ء

۱۶۵۶ء میں شاہ جہان کے آخری دور کا حال اور نگ تاریخ کی بھائیوں سے کش مکش، مغل شہنشاہیت کے پس پردہ واقعات اور اس دور کے سیاسی معاشرتی اور مذہبی حالات کو نہایت دل کش انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

قیمت جلد بارہ روپے

کیا ہم مسلمان ہیں؟

چکا گئے۔

”نہیں لے سعد! خدا کی جنت کا دروازہ تمہارا لئے کھلا ہوا ہے۔ وہاں جانے سے تمہیں روکنے والا کوئی نہیں!“

”اچھا!“ سعد الاسودؓ کا منہ حیرت اور خوشی سے کھلا کاٹھلا رہ گیا اور پھر بے اختیار کلمہ توحید کا پاکیزہ نعرہ ان کے سیاہ پوٹوں سے بلند ہو گیا۔ سعد ایمان لا چکے تھے۔ خدا کا ایک دل شکستہ بندہ اپنے خدا کو یا گیا تھا۔ سعد مسلمان ہو گئے تھے۔ انسانیت نے ایک بالوس انسان کو سینے سے لگا لیا تھا۔

لیکن کچھ دن بعد ایک بار پھر یہی انسان خدا کے رسولؐ کے پاس کھڑا ہوا دیکھا گیا۔ ایک بار پھر اسکے چہرے سے عوں چکاں بالوسی ٹپک رہی تھی۔

”لے خدا کے رسول!“ سعد الاسودؓ نے دلریشی کے ساتھ کہا ”اسلام نے مجھ سے جنت کا وعدہ تو کیا ہے مگر دنیا بدستور تار یک ہی ہے۔ میں شادی کا اور نو مند ہوں مگر کوئی شخص مجھے اپنی بیٹی دینے کے لئے تیار نہیں“

”کیا کہہ رہے ہو؟“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ٹوٹے ہوئے دل کی پکار کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔

”جاؤ! قبیلہ بقیف کے نو مسلم سردار عمرو بن دہب کو خدا نے رسولؐ کا یہ فیصلہ سنا دیا کہ اس کی بیٹی سعد الاسودؓ کے نکاح میں دیدی گئی!“

سعد الاسودؓ حیرت سے شل ہو گئے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ جس شخص کو کوئی معمولی سے معمولی خاندان اپنے اندر جذب

جذباتی آزمائشیں

حضرت سعد الاسودؓ اس حقیقت کا جتنا جاگتا ثبوت تھے کہ کالی صورت اور حسن و رعنائی سے محروم جسم کے اندر بھی ایک جگمگاتی ہوئی انسانی ہیرت موجود ہو سکتی ہے۔ عام انسانی نگاہوں نے اب تک انہیں حقارت کیسا تھا دھنکارا تھا۔ زمانے کی سطحیت پسندی نے اب تک ان کی شخصیت کی بے قیمتی کا بالوسانہ احساس ہی دلا یا تھا۔ عام دنیا کے لئے ان کے اندر کوئی کشش موجود نہ تھی۔ انسانی آبادیوں میں ایک انسان اس ناگردہ گناہی کی دردناک سراپا رہا تھا کہ وہ بد صورت کیوں پیدا ہوا ہے! لیکن قدرت کا ہاتھ اس بد صورتی کا پردہ ہٹا کر ان کے اندر چھپی ہوئی ان روحانی رعنائیوں کو آشکارا کرنے والا تھا جن کی خبر اس سیاہ قام انسان کو خود بھی نہ تھی۔

اپنی بد صورتی سے خائف و بالوس انسان نے خدا کے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور یوں فریاد کی۔

”لے محمد! میں ایمان لانا چاہتا ہوں مگر ڈرتا ہوں کہ مجھے جنت کے دروازے پر اندر جانے سے روک دیا جائے گا۔“

انتہائی دلسوزی کے ساتھ وہ نظر سعد الاسودؓ کی طرف اٹھی جس میں انسانیت کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ یہ رحمت اللعالمین کی نظر تھی۔ ہمیشہ سچ بولنے والی زبان سے درد میں ڈوبے ہوئے الفاظ نکلے اور سننے والے کی سماعت پر آبِ حیات کے ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے

اچانک پھیر لیا۔ نفس کی ساری دنیا اس ایک پکار میں
 گم ہو گئی۔ جذبات کے نشیلے خواب ایک لافانی حقیقت
 میں جذب ہو گئے۔ "مئی زویلی دہن" کے خوابوں سے کھیلنے
 والا اب اپنی موت کو سینے سے لگانے پر تیار کھڑا تھا۔
 دنیا کی لذیذ فرصتوں کی طرف بڑھنے والے قدم رگڑ کے
 اور خدا کی طرف بڑھ گئے۔ شادی کے سامان کی جگہ
 انھوں نے جہاد کا ساز و سامان خریدنا شروع کیا۔ پھر
 راہ جہاد پر وجد کرتے ہوئے چل دیے۔ اب ان کے سامنے
 شہستانِ عروسی نہیں اس جنت کا تصور تھا جس میں خدا
 سے زیادہ حسین تر کوئی شے نہیں۔ اب ان کی زندگی اس
 مقام پر تھی کہ جہاں موت ہی سب سے حسین آرزو ہوتی ہے
 جہاں انسان شرفی حلقے کے بجائے شہادت کی مقدس
 آغوش میں اپنی شرفی خون سے کھیلنا پسند کرتا ہے، جذبات
 کے خوبصورت نخل ہر گام پر ان کو پکار رہے تھے مگر جانے
 والا قبر کی تنہائیوں کی طرف کھینچا جا رہا تھا۔ حسن و عشق کی
 خلد تیں بازو پھیل رہی تھیں، مگر شہادت کا جذبہ بیاب
 تلواروں کی خون آشام پر چھائیوں کی طرف لپکتا جا رہا
 تھا۔ خدا کا بندہ اپنے خدا کی ملاقات کے لئے بے قرار
 تھا۔ میدانِ جہاد میں ایک خوبصورت عمامہ باندھے ہوئے
 ایک "مجاہد" جان دینے کے لئے بیاب نظر آ رہا تھا۔ مگر کوئی
 نہ پہچان سکا کہ وہ کون ہے؟ آج سعد کی صورت نہیں ان کی
 سیرت کا حسن دنیا کے سامنے تھا۔ ان کا جذبہ جاں نثاری
 ایک ایسا دلفریب نظر پیش کر رہا تھا کہ دیکھنے والے رستگ اور
 حیرت سے ٹٹٹکی باندھے دیکھ رہے تھے۔ یکا یک ان کے ہاتھ
 کی سیاہی لباس کے اندر سے ظاہر ہوئی اور سب سے پہلے
 رسولِ خداؐ نے پہچان لیا کہ یہ سعدؓ ہیں۔ آپؐ نے ان کو بے اختیار
 آواز دی۔ مگر آج خدا کے رسولؐ کی آواز بھی ان کو شہادت
 کی سرستی سے نہ چونکا سکی۔ وہ بڑھتے رہے۔ لڑتے رہے۔
 لڑتے رہے اور بڑھتے رہے اور عہدیت کی نامعلوم گہرائیوں
 میں ڈوبتے چلے گئے۔ دنیا میں نظریں دھندلا رہی تھی۔ کائنات
 پسا ہو رہی تھی۔ زمین و آسمان سمٹ رہے تھے اور ارباب کے

خسرے کو عار سمجھنا پورا اس کو ایک معزز سردار اپنے خسرے کے
 کافر بنانے پر آمادہ ہو جائے!۔ مگر سعدؓ جو اپنی صورت
 سے بالوس تھے رسالت کی عظمت کا یقین رکھتے تھے۔ یہ
 رسالت کی آواز تھی جو اسلامی معاشرے میں تقدیر کے اہل
 فیصلہ کا درجہ رکھتی ہے۔ سعدؓ امید و بیم کے شدید اضطراب
 کے عالم میں گہرتے پڑتے روانہ ہوئے اور معزز سردار کے
 دردانے پر دستک دے کر اپنی شادی کی یہ پیشکش کر دی
 معزز سردار یہ بات سننے ہی آپسے سے باہر ہو گیا۔ غیظ و
 غضب کے آبال نے اس کو یہ سوچنے کا موقع ہی نہ دیا کہ اس
 پیشکش کے پس منظر میں رسالت کی آواز ہے۔ اس کے
 سامنے محض ایک کالا بھنگا انسان کھڑا تھا جس نے
 قبیلہ ثقیف کے خاندانی وقار کو لٹکا رکھا تھا۔ سعدؓ اس در
 سے ٹھکر اڑتے گئے۔ مگر ابھی وہ جذبات م بھی جانے نہ
 پائے تھے کہ پیچھے سے ایک کلابتی ہوئی شرمیلی نسوانی آواز
 نے ان کو انتہائی بے تابی کے ساتھ پکارا "لے جا نیوالے
 ۔ لے خدا کے بندے! اگر یہ فیصلہ محمدؐ عربی کا فیصلہ
 ہے تو مجھے منظور ہے۔" یہ آواز عروین و مہرب کی صاحبزادی
 کی آواز تھی۔ عورت نسلی وقار اور سماجی بندشوں کی
 جھوٹی عظمتوں کو ٹھکراتی ہوئی دین کی قربانگاہ پر اپنے
 جذبات کی قربانی پیش کر رہی تھی۔ مٹی کے ایمان آفریز
 فیصلے نے باپ کو جیسے گہری تیندے سے چونکا دیا تھا۔ سعدؓ
 جن کو ابھی حقارت کے ساتھ نکالا گیا تھا انتہائی اعزاز
 کے ساتھ واپس لائے گئے۔ دنیا جس شادی کا تصور بھی نہ
 کر سکتی تھی وہ شادی طے ہو گئی اور سعدؓ اس اقرب کا
 ضروری سامان خریدنے کے لئے بازار پہنچے۔ خوشی اور
 آرزوؤں کے جذبات میں تلاطم برپا تھا۔ زندگی کی ایک
 چمکی ہوئی حسرت ایک حسین ترین تخمیں آرزو کی سمت
 بڑھ رہی تھی کہ اچانک ایک نئی عظیم آزمائش کا موڑ سامنے
 آ گیا۔ انھوں نے بازاروں کو اس پکار سے گونجتا ہوا
 پایا کہ "اے خدا کے بندو! میدانِ جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ"
 سعدؓ چلتے چلتے رُک گئے۔ جذبات کا طوفان

ساتھ پیچھے ہٹ کر چلے گئے اور۔۔۔ "انسان" اپنے خدا کے قدموں کو چھو لینے کے لئے اپنے وجود کی حدود سے آگے نکلتا ہوا ہمیشہ کے لئے دنیا سے دور نکل گیا سیاہ فام جسم شرح خون میں نہایا ہوا فرش خاک پر پڑا تھا اور شرح اپنے معبود سے جا ملی تھی۔ رسول خدا ان کی حسین لاش پر گھٹکے اور شدت جذبات میں بے جان لعش کو زانوئے مبارک پر رکھتے ہوئے پوسے۔۔۔ "اے قبیلہ تقیف! خدا نے اپنے سعد کو قبیلہ تقیف کی بیٹی سے کہیں زیادہ خوبصورت دوہاں عطا فرمادی ہے۔"

سعد الاسودؓ کی کہانی میں انسانی جذبات کے لئے کسی عبرت کا سامان ہے لیکن کون ہے جو اس عبرت و نصیحت کے خزانوں سے اپنے دامن بھرے۔ کون ہے جو یہ بات سمجھ سکے کہ "انسان" انسانی چہرے کا نام نہیں، بلکہ اس "انسان" کا نام ہے جو آدمی کے اندر چھپا ہوا ہے۔ کون جانے کہتے ہی ایسے خوبصورت چہرے ہیں جن کے اندر ایک "خوفناک انسان" چھپا ہوا ہے۔ اس حقیقت کو دیکھنے کے لئے چشمِ سر کی نہیں بصیرتِ ایمانی کی ضرورت ہے۔ کیا ہم اس حقیقت کو دیکھ سکتے ہیں؟ اور اگر نہیں دیکھ سکتے تو سوچو کیا ہم بھر بھی مسلمان ہیں؟!

دردِ انسانیت

ریاضتوں اور محاہدوں سے تھکا ہوا ایک پریشان پڑھا چہرہ عبادت گاہ کی کھڑکی سے اس مردِ نادم کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا جس کا نام عمر ابن الخطابؓ تھا۔ دیکھنے والا ایک سچی پڑا تھا۔ ایک راہب جس نے دنیا کی ہر لذت اپنے اوپر حرام کر لی تھی محض اس لئے کہ وہ اپنے خدا کو پاسکے۔ حضرت عیسیٰ نے اس چہرے پر ایک پُر سوز نظر ڈالی اور بے اختیار رو پڑے مسلمان حیران تھے کہ اس گریہ دردناک کا راز کیا ہے؟ ایک مسلمان ایک غیر مسلم راہب کی صورت کو اپنے قیمتی آنسو کیوں پیش کر رہا تھا؟۔

"آپ ایک عیسائی راہب کو دیکھ کر رو رہے ہیں؟" لوگوں نے حیرت کا اظہار کیا اور زیر لب سہکراتے۔ "ہاں!" حضرت عمرؓ کچھ اور اندھناک آواز میں بولے "میں ایک غیر مسلم کو دیکھ کر رو رہا ہوں۔ اے خدا کے بندو! اس سے زیادہ رونے کا مقام کیا ہو گا کہ ایک انسان ایسی عبادتوں میں اپنی جان بھجوا رہے جن کا انجام ہلاکت اور عذابِ جہنم کے سوا کچھ نہیں۔"

حضرت عمرؓ نے جو منظر دیکھا تھا وہی منظر آج ایک بہت بڑے پیمانے پر ہمارے چاروں طرف پھیلا ہوا ہے۔ مگر کہاں ہیں وہ لوگ جو آگ کے قیمتی عذاب کے تصور سے کانپ اٹھتے تھے! کہاں ہیں وہ انسان جو اپنی جانوں پر ترس کھاتے ہوئے غیر مسلموں کی ناکام عبادتوں پر پھوٹ پھوٹ کر روتے تھے؟۔ کل اسلام کفر کی حالت زار پر روکتا تھا مگر آج کفر بھی شاید ہمارے "اسلام" پر رو رہا ہے۔ کیا ہم مسلمان ہیں؟

جنت کے خریدار

بارگاہ رسالت میں ایک جاگیر کا مقدمہ درپیش تھا۔ ربیعہ مدعی نے اور امرہ اقیس مدعی علیہ۔ قریب تھا کہ پوری جاگیر امرہ اقیس کی ایک قسم کی قیمت میں ان کے ہاتھ آجائے کہ اچانک رسول خداؐ نے فرمایا:۔

"خدا کو یہ بات پسند نہیں بلکہ صرف مالی منفعت کیلئے اس کا نام استعمال کیا جائے۔ ایسا شخص جب اپنے خدا سے ملاقات کرے گا تو اس کو اپنے سے خفا یا بے گناہ۔" لیکن اے خدا کے رسول! "امرہ اقیس نے کہا" اگر کوئی شخص قسم سے جینے کے لئے اپنے جائز حق سے دست بردار ہو جائے تو اس کا انعام کیا ہے؟"

"خدا کی جنت"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایک لمحے۔ ایک ڈرامائی لمحے کے لئے حنا موشی چھانگنی۔ ربیعہ کے چہرے سے بالہ سوز اور اضطراب ظاہر ہوا کہ مدعا علیہ کی ایک قسم اس جاگیر کو اپنے قبضے میں لیا جا رہی ہے

مکروہ نہ جانتے تھے کہ امر و النہی سے اینٹ پتھر کی دنیا سے دور اپنے خدا کی جنت کے تصور میں گم ہو چکے ہیں۔ فردوس سے بچی ہوئی زمین حیات ابدی سے جگمگاتی ہوئی جنت کے آگے ماند پڑ چکی ہے۔ ایک بندے نے یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ وہ دنیا کا جائز حق حاصل کرنے کے لئے اپنے خدا کا مفاد نام استعمال کرنا گوارا نہ کرے گا۔

”میں قسم نہیں کھاؤں گا۔ میں قسم نہیں کھاؤں گا۔“ خواہ میری یہ جاگیر میرے ہاتھ سے جاتی رہے!“ یہ ماضی کی بات تھی مگر حال کیا ہے؟ — حال یہ ہے کہ ہم دنیا کے حقیر منافع حاصل کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں لگتے دروغ نہیں کرتے اور ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم مسلمان ہیں! جی ہاں ہم مسلمان ہیں!!

تصنیف مولانا ابوالکلام آزادؒ

تصنیف مولانا منظور نعمانی

ڈھائی روپے	اسلام کیا ہے؟
تین روپے	دین و شریعت
پانچ روپے	معارف الحدیث جلد اول
ساتھ پانچ روپے	جلد دوم
دو روپے	آپ حج کیسے کریں
چار روپے	قرآن آپ سے کیا کہتا ہے

ڈھائی روپے	قرآن کا قانون عروج و زوال
دو روپے	مضامین آزادؒ
۷۷ نئے پیسے	حقیقت الصلوٰۃ
دو روپے	مقالات آزادؒ
ٹوٹھ روپے	اسلامی جمہوریہ
چھ روپے	آزاد کی کہانی خود آزادؒ کی زبانی

حیاتِ طیبہ

مردارانِ سخن و جن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ پر جناب ابوسلیم محمد عبدالحی کی ایک مقبول و مشہور کتاب۔ سفید کاغذ پر فولڈ آڈیٹ سے بھی ہوئی۔ جلد نفیس۔ ڈھائی روپے

دیوان غالب { جناب مالک رام کا مرتب کردہ جس میں غالب کی بعض غیر مطبوعہ چیزیں بھی شامل ہیں۔ قیمت ساڑھے پانچ روپے۔

بیانِ غالب { عام فہم اور دلنشین شرح
شعرِ غالب { قیمت
دیوانِ غالب { پونے سات روپے

مقام صدیق

ستر آن حکیم نے تقرب الہی کے جو چار مدارج مقرر کئے ہیں ان میں سے افضل ترین مقام نبوت ہے اس مقام تک رسالتی حاصل کرنے کا سوال تو خارج از بحث ہے کیونکہ اولاً یہ مقام انسانی نہیں اور ثانیاً رسول اکرم خاتم الانبیاء بھی ہیں نبی کے بعد صدیق کا درجہ ہی جو قرب خداوندی، تقویٰ اور روحانیت کی ممکن الحصول صراح ہے اور حضرت ابوبکر عید اللہ انھما کے روحانی کی اسی آخندہ منزلی تک پہنچ چکے تھے آپ کے متعلق کسی حدیث کا یہ قول کفایت میں بر حقیقت ہے کہ صحیح

بعد از نبی بزرگ توئی قصہ مختصر

یقیناً خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس بزرگواریدہ اور مقدس ہستی کا دل سے احترام کرتے ہیں اور خوش نصیب ترین وہ لوگ جو ان کو صدیق اکبر، خلیفہ برحق اور ختم المرسلین کا صحیح جانشین مانتے ہیں صدیق کا معزز اور ممتاز لقب کسی طوٹا دلہند بادشاہ یا قصیدہ گو شاعر کا عطا کردہ نہ تھا بلکہ رحمت اللعالمین افرج موجودت سرور کائنات محمد مصطفیٰ نے حضرت ابوبکرؓ کے بے مثال جوش ایمانی، بے نظیر اسخ الاعتقاد کی، بے چاہ جذبہٴ ایشاد اور استقامت کے پیش نظر انھیں صدیق کے لقب سے سرفراز فرمایا تھا حضور پر نور کی اس نوازش کا صاف مطلب یہ تھا کہ ابوبکرؓ زہد و تقویٰ، صدق و صفا، راست کرداری و راست بازی اور روحانیت کے آخری مقام پر فائز تھے جہاں اصحاب میں معزز ترین تھے اور آپ کے جائزہ ارشاد تھے رحمت اللعالمین نے نہیں بلکہ یوں کیے کہ خود رب اللعالمین نے حضرت ابوبکرؓ کو صدیقیت کے مقام پر سرفراز فرمایا تھا کیونکہ ہر صحیح العقیدہ مسلمان کا ایمان ہے کہ رسول کا فرمودہ خدا کا فرمودہ اور رسول کا انتخاب خدا کا انتخاب ہوتا ہے پھر کسی انسان کی کیا ہستی، کسی گروہ یا قبیلہ کی کیا مجال کسی

ماذی طاقت کی کیا بساط کہ خدا کے نام زد کردہ شخص کو اس کے اعلیٰ اور رفیع مقام سے شادے۔ تاریخ کے صفحات شاہد ہیں کہ نبی کریم کا فرمودہ پورا ہوا، اللہ کا انتخاب اہل رہا، حق فی الحقیقت حق بنکر چکا اور سرور کائنات کے وہاں کے بعد قرآن کے مندر کردہ مدارج کے مطابق صدیق اکبر ہی نبی کو کم کے جانشین ہوئے۔

سرکارِ عالم ہیبت المقدس، ہفت انگ انگ اہ و درش اعظم کی سیر کر رہیں تشریف لے آئے ہیں اور دوسرے دن مسلمانوں کی محترمہ جماعت کو شبِ اسرئلی کے واقعات بالتفصیل سنلے ہیں اپنی نوع کے انوکھے واقعات بڑی دلچسپی اور توجہ سے سنتے جا رہے ہیں۔ حاضرین تصویرِ حیرت بنے ہوئے ہیں، عقل کچھ اور سوچ رہی ہے اور دل کچھ اور کہہ رہا ہے زمین یقین دگمان کی آماجگاہ بنا ہوا ہے دماغ میں کبھی یقین کے نقوش آ جا کر ہوتے ہیں اور کبھی گمان اپنا رنگ جمالینا ہے۔ ایک کشمکش کا عالم ہی، کشش و اعتقاد سیم ورجا کے طوفان میں ہچکولے کھار ہی ہے بڑی مشکل کا سامنا ہی بڑی کٹھن منزلی ہی، بڑی سخت آزمائش ہے۔

حاضرین میں سے بعض کے خیالات متزلزل بھی ہو چکے ہیں ابوبکرؓ اس محفل میں موجود نہیں ہیں یہ واقعات کفار کے علم میں آ جانے ہیں، انھیں اسلام کو بدنام کرنے سے روکنا کائنات کا بڑا ہی مشکل اور توحید پرستوں کو گمراہ کرنے کا بڑا ہی مشکل اور ایک سنہری موقع طماننا ہے کفار ان حیرت انگیز واقعات صراح کو بڑی رنگ آمیزی سے بیان کر رہے ہیں بلکہ چوڑے حلیے بڑھارہے ہیں فقرے حیرت کر رہے ہیں کہ ابوجہل دوڑا دوڑا حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاتا ہے اور ان سے بڑے طنز یہ انداز میں کہتا ہے "ابوبکر! کچھ تو بھی سننا، تمہارا دوست کیسی باتیں کر رہا ہے وہ کہتا ہے کہ میں کل رات روانہ ہوا اور بیت المقدس اور آسمانوں کی سیر

کر کے علی الصبح واپس مکہ پہنچ گیا، کہو تمہارا ان باتوں کے متعلق کیا خیال ہے؟ یہ الفاظ کہہ کر وہ بڑے طور پر ابو بکرؓ کے چہرے کو دیکھنے لگتا ہے۔ آپ بڑے پر وقار انداز میں جواب دیتے ہیں اگر تم یہ باتیں اپنی طرف سے کہہ رہے ہو تو مرا سزا غلط ہیں اور اگر فی الحقیقت یہ الفاظ رسول خدا نے فرمائے ہیں تو بالکل سچ ہیں۔ آپ سے مزید کہا، یہ تو ایک چھٹی سی بات ہے میں تو ایک بہت بڑی بات پر ایمان رکھتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جبریل امین ان کے پاس آسمانوں سے خدا کا پیغام لے کر خود آتے ہیں۔ پھر بجلا میں اس بات پر کیوں تعجب کروں کہ حضور آسمانوں پر تشریف لے گئے؟

حضرت ابو بکرؓ کے لئے فخر کائنات کائنات کے ایک قلیل حصے میں بیت المقدس، سنت افاک اور عرش اعظم تک جا کر واپس آجانا عین ممکن تھا کیونکہ اس آسانی سفر کو پر کھنے اور سمجھنے کے لئے ایسی عقل اور ایسی فطرت تھی جو اس فضا کو گھتی ہو اور جو اس ماحول سے آشنا ہو یہ ہے وہ اہم ترین واقعہ، یہ ہے وہ عظیم جذبہ، یہ ہے وہ عظیم مثال واضح الاعتقادی ہے وہ اظہار حقیقت اور یہ ہے وہ اعلان کلمۃ الحق میں نے آپ کو مقام صدیقیت تک پہنچا دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نہ صرف اس عجیب و غریب و حیرت انگیز اور بظاہر ناممکن واقعہ معراج کے شاہد اولیٰ ہیں بلکہ صحیح معنوں میں پہلے مومن بھی ہیں۔

آپ کے قبول اسلام کا فخر بھی عجیب ایمان پروردگار اور اپنی مثال آپ ہے! حضرت مسلم نے جب حکم خداوندی تحت اپنے امور میں اللہ ہونیکا اعلان کیا اور لوگوں کو صراطِ مستقیم کی طرف بلایا تو کفار مکہ رسول کریم کے دشمن ہو گئے، مخالفت کا ایک سیلاب اُٹھ پڑا۔ ان ناموافق حالات میں ابو بکرؓ ہی وہ پہلے تابع، عامل باخبر، سعید فطرت اور صاحب حیثیت شخص تھے جو اپنے بچپن کی ساتھی اور دوست پر ایمان لائے۔ ابو بکرؓ جب شام کے سفر سے واپس آئے تو سنا کہ ان کے دوست محمدؐ نے رسول اللہ ہونیکا دعویٰ کیا ہے آپ شام کو اپنی دوست کے گھر گئے اور ان سے پوچھا کہ کیا انھوں نے نبوت کا اعلان کیا ہے رسول اللہؐ کہنا چاہتے تھے کہ آپ لے کہا۔ میں صرف یہ

جاننا چاہتا ہوں کہ کیا واقعی آپ نے نبی ہونیکا دعویٰ کیا ہے۔ محمدؐ مصطفیٰ نے اثبات میں جواب دیا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فرط محبت سے آنحضرتؐ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے پیے رسول ہیں۔ یہ ہے مومن کی شان اور یہ ہے صدیق کا مقام کہ کوئی سوال و جواب، دہشت و خمیس، نہ جرح و تبصرہ۔ اور ہر بھروسہ کی زبان حقیقت ترجمان ہو ہاں لفظ شہاد اور ادھر ایمان لے آئے۔

حک سے دینے کی جانب ہجرت تاریخ اسلامی کا بڑا اہم اور انقلاب انگیز واقعہ ہے یہاں بھی آپ کو حضور پر نور کے رفیق طریق ہو چکا فخر حاصل رہا ہی غارتور میں ہی آپ رسول اکرم کے ہمراہ تھے اسی غارتور میں آپ کے زانوؤں کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ شانہ دعا ان پر اپنا مقدس سر رکھ کر استراحت فرماتے رہے اسی غایت عجب ایشاد اور بے حد جذبہ رفاقت کی وجہ سے آپ کو یار غارتور بھی کہا جاتا ہے جہاں تک ایشاد اور دستہ بانی کا تعلق ہے آپ اس نقطہ عروج تک پہنچ چکے تھے کہ بڑے بڑے جلیل القدر صحابی بھی آپ پر رشک کرتے تھے غزوہ تبوک کے موقع پر ختم المرسلین کے امی الیٰ اذہب فرمائی اور حضرت عمر فاروقؓ اسی جذبہ رشک کے تحت اپنا نصف اثاثہ لے آئے انھیں یقین تھا کہ وہ اس مرتبہ سعادت لے جائیں گے لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ صدیق اکبرؓ پہلے سے موجود تھے اور آپ نے گھر کا تمام اثاثہ فخر دور عالم کے قدموں میں لا کر ڈال دیا تھا۔ رحمت اللعالمین نے پوچھا کہ گھر والوں کے لڑکے کیا چھوڑ آئے ہو۔ اس مجلس ایشاد نے جواب دیا کہ ابو بکرؓ اور اس کے گھر والوں کے لئے اللہ اور اللہ کے رسول کا نام ہی کافی ہے

پر وانی کو چراغ، عثمان کو بچھول بس

صدیق کو خدا و خدا کا رسول بس

یہ ہے ایشاد دستہ بانی کا وہ بلند ترین مقام جہاں صدیق اکبرؓ پہنچ چکے تھے اور یہ ہے وہ عشق رسول کا جذبہ جس کی مثال حال ہے، صدیقؓ کے مرتبہ کے کیا کہنے، صدیقؓ تو دراصل فنا فی اللہ اور فنا فی الرسولؐ ہوتا ہے۔

جنگ بدر کو اسلامی تاریخ میں ایک انتہائی خصو صیت حاصل ہے یہی ہے وہ پہلا معرکہ حق و باطل میں بے دست پا

تقلیل استعداد اور بے سرو سامان ہونے کے باوجود حق پرستوں نے کفاد کی کثیر تعداد، بہترین آلات حرب و حرب سے آراستہ اور پاسدو سامان افواج پر شاندار فتح پائی اسی معرکہ حق و باطل کی ایک رات کا ذکر ہے کہ ابو بکرؓ آٹھ گھنٹے نامداد کے عیش کی نگرائی کر رہے تھے آدمی رات کے وقت نبی کریمؐ رب ذوالجلال کے حضور با حیرت عرض گزار تھے کہ "اے مالک کل ہماری مدد فرما، ہمارے حال پر رحم کر۔ جو کچھ بن پڑا ہے تیرے حضور میں پیش کر دیا ہے اے اللہ اگر تجھ پرستوں کی یہ مختصر سی جماعت بھی ختم ہو گئی تو میرے حضور ہستی پر تیری مکمل بندگی اور تیری غلامی کا نظام اکبر گزار قائم نہ ہو سکتا"۔ صدیق اکبرؓ سے یہ عالم نہ دیکھا گیا، عرض میں داخل ہوئے اور حضورؐ کو مخاطب کرتے ہوئے بولے "یا رسول اللہ! آپ مطمئن رہیں اللہ نے آپ کو فتح و نصرت کا وعدہ دیا ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا" یہ ہے صدق و صدا کا وہ بلند مرتبہ اور رفاقت و حمایت کا وہ ارفع جذبہ کہ جب جنگ بدر کے نازک ترین حالات میں ہادیؓ دو عالم نہایت عاجزی اور بے قراری سے بارگاہِ خداوند کا یہ فتح و نصرت کے لئے مصروف دعا تھے تو ایک طرف خود خدا اپنی عیب کو مہی کے دلچرخ و کامرائی کی بشارت دے رہا تھا اور دوسری طرف آپ کے یارِ غار حضرت صدیق اکبرؓ وحی آہنی کی تائید میں نصرت و کامرائی کا یقین دلانے میں مصروف تھی۔ حضرت ابو بکرؓ ہر جنگ میں شریک ہونے باطل کے مقابلے میں ہمیشہ سیدناں کر میدان میں نکلتے اور ہر موذیہ پر جماعت کے جوہر دکھانے تاریخ کے صفحات گواہ ہیں کہ آپ کے پائے استقلال کو کبھی بخش نہیں ہوئی آپ کی عمر کا بیشتر حصہ رسول مقبول کی صحبت میں گزارا۔ آپ نے ہادیؓ برحق سے بہترین استفادہ کیا، عقل و دانش کے موتی چنے، علم کی باتیں سیکھیں، نکتے سمجھے، دین سسائے کے صلہ پوچھے، قرآن کے معارف پر غور کیا۔ حضورؐ کا اشارہ یا کہ مشورہ دینے بہت کچھ دیکھا، بہت کچھ پوچھا، بہت کچھ سیکھا اور بہت کچھ سمجھا۔ سرکارِ دو عالم کی خلافت کے دوران امامت کو فرائض بھی سرانجام دیئے یہ تمام واقعات صاف صاف بتا رہے ہیں کہ تدرت کا ملا اپنی لطیف حکمتوں کے تحت آپ کو کسی غیر شانِ اہل بیت کی ذمہ داری اٹھانے کے لئے تیار کر رہی تھی۔

رسول اللہؐ کے وصال کی خبر سننے ہی باطل پرستوں کے دلوں میں ایک گونگی سی آٹھی، حق دشمنوں کے خوابیدہ عذائم انگڑائیاں لینے لگی اور وہ اپنی منتشر قوتوں کو جمع کرنے اور سازشوں کے جال بچھا میں بہت مصروف ہو گئے اور ادھر شدتِ غم سے جاں نثارانِ رسول کا حال ابتر تھا اور درحقیقت کے بے پناہ اثر کے تحت بعض جلیل القدر صحابی، جن میں حضرت عمرؓ جیسی پر عزم شخصیت بھی شامل تھی۔ خاتم الانبیاءؐ کی وفات کو امر ناممکن سمجھتے تھے اور یہ باور کر لی گئے تیار ہی نہ تھے کہ محمد مصطفیٰ صلعم بھی انتقال فرما سکتے ہیں ان بزرگوں ہونے حالات میں نبیؐ کے بعد افضل ترین بشر نے امت محمدیہ کی صحیح راہ نمائی کی، نظم کو بحال رکھا، اتحاد کا دامن تازہ نہونے دیا ملت کو تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچا لیا اور باطل کا امیلا پر پائی پھیر دیا۔

دنیا کے آخری بیج پر نازل شدہ آخری دین، مکمل مشریت اور کامل ضابطہ حیات کو دنیا کے افضل ترین صدیق اور اسام کے پہلے خلیفہ نے عالم کے گوشے گوشے میں عام کرنے کی ہر ممکن کوشش کی، تبلیغ دین کا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ خلیفہ المسلمین امیر المؤمنین حضرت سیدنا ابوبکر صدیقؓ اکبرؓ ہر مشکل پر تیار ہوئے، ہر غشی کو سلجھانے، جھوٹے نبیوں کو شکست دینے، زکوٰۃ دینے والوں کے زعم خود سری کو مٹانے، اور باطل کی سرکوبی کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے ان حالات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ تائیدِ انبویؐ آپ کے ساتھ تھی، اللہ کی رحمت آپ کے شریک حال تھی، فرشتے آپ کی حمایت پر مامور تھے۔ اور آپ خدا کے نزدیک واقعی صدیق اور ختم المرسلین کے جائز وارث تھے آپ کی خلافت، خلافتِ راشدہ تھی،

جو اہل رسالت

قدم قدم پر کام آنے والی احادیث مع ترجمہ تشریح

قیمت سوا روپیہ۔

مکتبہ تجلی دیوبند

مسلمانوں کا تیسرا الیکشن

(ازملا واحدی)

انگریز قوم اپنے بادشاہ کے مرنے کا اعلان ان الفاظ میں کیا کرتی ہے *King is dead, Long live the King* گویا بادشاہ کے مرنے اور نئے بادشاہ کے تخت نشین ہونے کا اعلان ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ یہ بات انگریزوں کے ہم سے سیکھی ہے۔ ہم نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وفات پانے ہی حضورؐ کے خلیفہ اور امیر المؤمنین کا انتخاب کر لیا تھا۔

کسی قوم کی اس سے بڑھ کر بیکاری کی کیا ہے کہ اس کا کوئی سردھوڑ نہ ہو اور اسے بے ہوا چھوڑ دیا جائے۔ قوم کے سردھوڑ کا انتخاب پیغمبر کی تدفین پر مقدم ہے۔

خیر مسلمانوں کا پہلا الیکشن تو یہی تھا جو انہی اہمیت کے ساتھ ظہور میں آیا۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں اکثریت نے نہیں، سب نے بالاتفاق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنا لیا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ فداء سے متعلق تھے۔ مگر چند دن بعد ہم نے دیکھا کہ حضرت علیؑ خلافت حدیثی میں مجلس شوریٰ کے ایک متحد رکن ہیں۔

دوسرا الیکشن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے مرض الموت میں رحلت سے ذرا قبل وصیت نامہ لکھوانا شروع کیا۔ حضرت ابوبکر صدیق بولنے جاتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لکھتے جاتے تھے۔ خلافت کے لئے نام تجویز کرتے کرتے حضرت ابوبکرؓ کو خوش آگیا۔ غشی ختم ہوئی تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عثمان سے پوچھا: کہاں تک لکھ چکے ہیں آپ؟ حضرت عثمان نے اسی وقتے فقرے کو پورا کر رکھا تھا اور حضرت عمرؓ کا نام لکھ لیا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھیر کھی اور فرمایا: آپ نے میرے دل کی بات لکھی ہے۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ ہم خیال ہیں۔

یہ تجویز حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ہی صحابہ میں پھیل گئی، اس پر غور ہوا۔ حضرت عمرؓ کی سخت مزاجی کا چرچا ہوا۔ مگر بالآخر انھیں قبول کر لیا گیا۔ حضرت علیؑ حضرت عمرؓ کے انتخاب کے پہلے دن سے توبہ تھے اور حضرت علیؑ نے حضرت عمرؓ کو اتنی مدد دی کہ حضرت عمرؓ کا مشہور قول ہے: *لو لا علی لھلک عمر*۔ علیؑ نہ ہوتے تو عمر لاک ہو جاتا۔

خود حضرت علیؑ نے ایک دفع کہا کہ ابوبکرؓ عمرؓ کی خلافت کا میاں بنی۔ کیونکہ ہم ان کے شیر تھے اور میرے زمانے میں انتشار ہے۔ مجھے اچھے شیر تیسرے نہیں ہیں۔

تیسرا الیکشن حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے الیکشنوں کی سادگی اور سجاوٹ کا تو جواب حال ہے۔ دونوں الیکشنوں کا طریقہ مسلمانوں کے نکاح کی طرح سادہ تھا۔ لیکن تیسرا الیکشن بھی نہایت پاکیزہ ہے۔ اسے ہم ذرا مفصل بیان کرتا ہوں۔

حضرت متیرہ بن شعبہ کا ایک غلام تھا۔ باری النسل سے۔ فیروز اس کا نام تھا۔ فیروز نے حضرت عمرؓ کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ متیرہ کہتے ہیں دو روپے روٹ لگا کر دیا کرو۔ دو روپے زیادہ ہیں آپ کم کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فیروز سے پوچھا: تم کیا کام جانتے ہو۔ فیروز نے جواب دیا: بہت سے کام۔ روٹ لگائی۔ نقاشی آہنی گری۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: جیسے اتنے کام آتے ہوں اسے دو روپے کمائے۔ مشکل نہیں۔ تمہارا مقدمہ خارج۔

فیروز حضرت عمرؓ سے بگڑ گیا۔ حضرت عمرؓ ناز بڑھا رہے تھے۔ فیروز نے اس حالت میں ان پر حملہ کیا اور تار تار لٹو لٹو وار کئے اور کئی زخم لگائے۔

زخم ہلک تھے حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ کو بلایا اور فرمایا کہ عثمان - علی - زبیر ابن العوام - سعد بن ابی وقاص اور ابن عبد الرحمنؓ پر عرض میرے نزدیک خلافت کے اہل ہیں۔ تم کو شش کر کے ان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرادو۔

حضرت طلحہ ابن عبد الرحمن دارالعلماء میں موجود نہیں تھے کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف چار حضرات کو حضرت عمرؓ کے پاس لے آئے۔ حضرت عمرؓ نے چاروں سے کہا "میرا یہ خیال ہے، تم آپس میں فیصلہ کرو۔" حضرت عبدالرحمن ابن عوف فیصلہ کرنے میں تمنا سے مشیر و مددگار رہیں گے۔ تین دن کے اندر اندر فیصلہ ہو جانا چاہئے۔ اور سونو جو خلیفہ منتخب ہو جائے وہ انصار کا ضرور لحاظ رکھے۔ انصار نے آڑے وقت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا تھا۔ ان کی دل جوئی لازم ہے۔ نیز خلیفہ غیر مسلموں کی حفاظت کرنی نہ چھوڑے۔ اللہ اور اس کے رسول نے نبیؐ کو وعدے غیر مسلموں سے کئے ہیں انھیں نیا نہیں ہے۔ اور علیؓ اختلاف تمہیں لے تو نبیؐ ہاشم کو فوقیت مت دینا۔ اور عثمانؓ اختلاف تمہیں لے تو نبیؐ کو فوقیت مت دینا۔ زبیر اور سعد تمہارے لئے بھی یہی وصیت ہے۔ سب کے حقوق کا کیساں دھیان رہنا چاہیے۔ سب کو برابر سمجھنا چاہیے۔ اور لوگ بھی حاضر تھے۔ ان میں سے ایک صاحب بولے۔ آپ خود انتخاب کر دیتے تو اچھا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ ابو عبیدہ ابن الجراح زندہ ہونے تو میں تمہارا ان کی تحریک کرتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ابو عبیدہ سالم ہیں اور اللہ کی محبت میں پختہ۔ مگر علیؓ عثمانؓ زبیرؓ طلحہ اور سعد میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینی دشوار ہے۔

ایک صاحب نے کہا۔ عبداللہ ابن عمرؓ کو خلیفہ کیوں نہ بنا دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ خاموش۔ تم نے یہ بات نہایت نہیں کہی ہے۔ مجھے خوش کرنے کی غرض سے کہی ہے۔ عبداللہ مسلمانوں کے فیصلے کیا کرے گا۔ وہ بیوی کو طلاق دینے میں تو صحیح فیصلہ کر نہیں سکا۔

تیسرے صاحب نے عرض کیا۔ سعد بن زید بھی ان پانچ کے ساتھ شامل کر لئے جائیں۔ سعد بن زید حضرت عمرؓ کے ہم قبیلہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "بنی عدی ایک آدمی کا بیٹا ہے۔ میں ڈر رہا ہوں کہ جواب دہی کا مرحلہ کیسے طے کروں گا۔ بنی عدی کے دوسرے آدمی کی خودت نہیں ہے۔ پھر علیؓ عثمانؓ زبیرؓ اور سعد کے مقابلے کا آدمی بھلا اور کون ہو سکتا ہے۔ علیؓ اور عثمانؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقربا میں ہیں۔ زبیر بھی حجاز زاد بھائی ہیں۔ طلحہ کو رسول اللہ نے طلعتہ الخیر فرمایا ہے۔ خیر جسے انتخاب کر لیا جائے اس کی مخالفت ہرگز نہ کی جائے۔ جو مخالفت ہارے اسے قتل کر دیا جائے۔"

حضرت عمرؓ نے اپنے فرزند حضرت عبداللہ سے کہا "تم مشورے میں شریک نہ ہو صرف مشورے اور رائے زنی کا حق تمہیں دیا جائے۔ حضرت مقداد بن اسود سے فرمایا۔ "تمہیں مشورہ کرنے والوں کا نگران مقرر کرتا ہوں۔" حضرت صہیب سے فرمایا "خلافت کے طے پانے تک تم نمازوں میں امامت کرو۔" حضرت طلحہ انصاری سے فرمایا "پچاس انصار لے کر بیت المال کا پہرہ دو۔"

اس کے بعد متعلقہ حضرات ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں بیٹھ گئے۔ غیر متعلق حضرات کو رخصت کر دیا گیا۔ تمام دن گفتگو جاری رہی لیکن نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ دوسرا دن بھی یوں ہی گذرا۔ تیسرے دن حضرت مقدادؓ انتخاب کے نگران بنے کہا "آج میں جلسہ بند نہیں کروں گا اور فیصلہ کے بغیر نہیں اٹھنے دوں گا۔"

تیسرا دن قریب الختم تھا۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ نے فرمایا "اب فیصلے کی صورت یہ ہے کہ جو میں فیصلہ کروں اسے مان لیا جائے۔" سب نے کہا "شیک ہے۔"

حضرت عبدالرحمن ابن عوفؓ الگ حجرے میں چلے گئے اور وہاں حضرت علیؓ کو طلب کیا اور کہا "تم نبی ہاشم کے سردار ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد ہو تاہم مختاری دیر کے واسطے میں فرض کرتا ہوں کہ تم مستحقین خلافت کی فہرست میں نہیں رہے۔ اب تمہارا تمہارے نزدیک باقیوں میں خلافت کا حق کون ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا۔ "عثمان۔"

حضرت علی سے گفتگو ختم کر کے حضرت عثمان کو بلایا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ تمہیں اگر خلیفہ نہ بنایا جائے تو پھر کسے خلافت کا حق دار قرار دینا چاہیے۔ انہوں نے فرمایا "علی کو"

حضرت زبیر اور حضرت سعد سے بھی اسی طرح سوال جواب ہوئے۔ انہوں نے حضرت عثمان کے حق میں اٹے دی۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف حجرے سے نکل آئے اور اعلان کر دیا کہ میں علی اور عثمان میں سے ایک کو چننا رہ گیا ہے۔ رات بھر مصلت دیکھنے کل میں دوڑوں میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعت کروں گا۔

صبح حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے حضرت زبیر اور حضرت سعد سے فرمایا۔ آج فیصلہ کرنا ہے میں نہیں چاہتا کہ مجھے نہ کوئی بات رہ جائے تم پھر سوچ لو۔ انہوں نے پہلے حضرت عثمان کے حق میں اٹے دی تھی مگر اس وقت کہا کہ علی مناسب ہیں۔

حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے جلسہ عام میں تمام حالات بیان کر دیئے اور حقیقی کارروائی تین دن میں ہوئی تھی وہ سنا دی۔ حضرت عمار ابن یاسر نے کہا حضرت علی سے بیعت کرنی چاہیے۔ حضرت مقداد نے تائید کی۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف کھڑے ہو گئے اور حضرت علی کا ہایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر اور بائیں ہاتھ اپنے دائیں ہاتھ پر رکھ کر بولے :- علی عہد کرو کہ میں خلافت کے فرائض اللہ اور رسول کے حکم کے مطابق انجام دوں گا اور لوگوں کے نقش قدم پر چلوں گا۔ حضرت علی نے کہا میں اللہ سے دو مانگوں گا کہ مجھے ایسا کرنے کی توفیق عطا کرے میں دعوے کے ساتھ عہد نہیں کر سکتا۔ حتی المقدور کوشش کروں گا۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے کہا عزم کی کمی ہے اور حضرت عثمان سے بلا کر ان سے اقرار کا مطالبہ کیا حضرت عثمان نے صاف الفاظ میں اقرار کر لیا۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے ان سے بیعت کر لی۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف کے بعد حضرت علی نے بیعت کی۔ حضرت علی کا بیعت کرنا تھا کہ حج بیعت کئے تو ٹوٹ پڑا۔

ہاں میں یہ لکھنا بھول گیا۔ ابتداً حضرت عمر نے حضرت عبدالرحمن ابن عوف کو بھی مستحبین خلافت میں رکھا تھا۔ مگر انہیں شامل ہوا۔ لہذا انتخاب کی خدمت ان کے سپرد کر دی گئی۔

ایک روایت ہے کہ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نہرست میں شامل رہے اور حضرت طلحہ بھی موجود تھے یا آگے تھے۔ حضرت عمر کا تو انتقال ہو چکا تھا۔ حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے فرمایا کہ چھ کے تین کر دیئے جائیں تو فیصلہ آسانی سے ہو سکتا ہے۔ حضرت زبیر نے کہا میں دستبردار ہوتا ہوں اور علی کو پیش کرتا ہوں۔ حضرت طلحہ نے کہا میں دست بردار ہوتا ہوں اور عثمان کو پیش کرتا ہوں۔ حضرت سعد نے کہا میں دستبردار ہوتا ہوں اور عبدالرحمن ابن عوف کو پیش کرتا ہوں۔ چھ کے تین رہ گئے تب حضرت عبدالرحمن ابن عوف نے کہا میں بھی دست بردار ہوتا ہوں میں علی یا عثمان کو خلیفہ نہ بنا یا جائے گا۔

براہِ الفاظ مولانا عبدالماجد دریا بادی "نفس بیسے اس زمانے میں اس قوم کے اندر رہ ہی نہیں گیا تھا۔ اس درجہ بے نفسی، خود فانی، آخر کس چیز کا نتیجہ تھی؟ کیا اس طرح کی سیاسیات اور فلاحیوں کی جمہوریت چاٹ جانے کی؟ ان بیچاروں نے تو ان شاندار کتابوں کا نام بھی نہ سنا ہوگا۔ نتیجہ صرف اس کا تھا کہ اپنی عبدیت اور آخرت کا استحفاظ ایک زندہ حقیقت تھی۔"

خزائن کا فہرستہ جو کچھ ہوتا ہے اسے چھوڑیے۔ دنیا اس ادا کی تخیل سے زیادہ آسانی کے ساتھ کس قوم نے کی ہے! "سلسلہ ہمارے علم کی حد تک صحیح اہتمامات یوں ہیں کہ حضرت عمر نے چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا۔ عثمان - علی - زبیر - سعد - طلحہ - بن عبید اللہ (طلحہ ابن عبید الرحمن نہیں) اور عبدالرحمن ابن عوف (ابن عبید الرحمن نہیں) مقداد بن اسود کو ان حضرات کے اجتماع کا منظم بنا یا تھا۔ انہوں نے طلحہ کے علاوہ کہ وہ باہر گئے ہوئے تھے۔ باقی پانچ کو، مسور بن حزمہ کے مکان میں جمع کیا۔ پھر عبدالرحمن بن عوف خود ہی اپنے حق خلافت سے دست بردار ہو کر مشرک کا سر کی رضا مندی سے حکم بن گئے تھے (تجلی)

اصحابِ رسولؐ

انسان کے فرائض میں سب سے مقدم اور سب سے اہم فرض یہ ہے کہ اخلاق انسان کی اصلاح، اور نفوس بشری کی تہذیب و تکمیل کی جائے۔ علوم و فنون، تہذیب و تمدن، صنعت و حرفت، غرض وہ تمام چیزیں جو ہمیشہ سے دنیا کا سرمایہ ناز رہی ہیں، آسمان کی ہزاروں گردشوں اور زمانہ کے ہزاروں انقلابات کے بعد عالم وجود میں آئیں۔ لیکن تہذیب نفوس انسانی کا فرض، اس قدر ضروری تھا کہ زمین کا پہلا انسان آدمؑ دنیا میں آیا تو اس کی ذمہ داریوں سے گرانبار ہو کر آیا۔ حضرت آدمؑ کے بعد اس سلسلہ کو زیادہ ترقی ہوئی اور بڑھے بڑھے اور العزم پیغمبر پیدا ہوئے۔ لیکن ان سب فضائل و مناقب کا مجموعہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک تھی۔ جہاں پہنچ کر یہ سلسلہ بدالہ آباد تک کے لئے کھل گیا، اور وحی الہی نے یہ مشورہ سنایا:۔ **اَلْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ اَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَ رَضِيْتُ لَكُمْ الْاِسْلَامَ دِينًا** اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ اس برگزیدہ اصفیاء اور عصاۃ انبیاء یعنی سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مقدس فرض کو کس وسعت اور کس جامعیت کے ساتھ ادا کیا؟ اور نفوس بشریہ کو تہذیب اخلاق کے کس ذرہ کمال تک پہنچایا۔ تو اس کا جواب ہم کو اسلام کے ان مقدس بزرگوں کے متعلق اخلاق کی خاموش زبان سے دینا ہوگا، جو آپ کے اخلاق و اعمال کے مظہر اتم، آپ کی تعلیم و تربیت کی مثال ہیں۔ آپ کی ہدایت و ارشاد کے مخاطب اول، اور آپ کے فیضِ صحبت سے شب و روز بہرہ اندوز تھے۔

اصحابِ کرام کی اس مقدس جماعت کی نشوونما بھی دنیا کے حیرت انگیز واقعات کی ایک عجیب و غریب مثال ہے، اول اول جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل عرب کو عقائد و اعمال کی اصلاح کی دعوت دی تو ریگستان عرب کے ایک ذرہ نہ بھی اس کا جواب نہ دیا۔ لیکن صداقت کے اثر اور تربیت پذیری کے جوہر نے چند ہی دنوں میں آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں غرض ہر طرف ان بزرگوں کی قطاریں کھڑی کر دیں، جن کے وجود سے دعوتِ نوح، بعثتِ موسیٰ اور نبوتِ عیسیٰ کی تاریخ اکثر خالی ہے، ابتداء میں ان بزرگوں کا نام انگریزوں پر گنا جیا سکتا تھا، ہجرت کے زمانہ تک ان میں معتد بہ اضافہ ہوا اور غزوة بدر کی صفت میں تین سو تیرہ مرفوش تیغ بکف نظر آئے۔ فتح مکہ میں یہ تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی، ساؤ حجۃ الوداع میں تیرہ ہزار صحابہ آپ کے جلو میں روانہ ہوئے، لیکن جب آپ کے انتقال فرمایا تو یہ تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی۔

دریائے حق کے جزو مد کا کتنا عجیب و غریب منظر ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام مدون توحید کا غلغلہ بلند کرتے تھے۔ ان کے سایہ کے سوا کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انصار و اعداؤں کی جتوں میں، من انصار سی اس نے اللہ کا نعرہ لگایا۔ لیکن چند روزوں کے سوا کسی نے ان کی حمایت نہ کی، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا تو اس آفتاب و عالمتاب کے نور سے ریگستان عرب کا ذرہ فہر وشن تھا، لیکن:-

”دوسرے پیغمبروں پر آپ کو صرف یہی فضیلت حاصل نہیں ہے کہ آپ کے اصحاب کی تعداد اکثر پیغمبروں کے اصحاب سے زیادہ ہے بلکہ آپ کی سب سے بڑھی فضیلت یہ ہے کہ آپ کے نور ہدایت نے جن ذروں کو روشن کر دیا تھا، وہ اب تک آپ و تاب سے چمک رہے ہیں اور گم گشتگان راہ انہیں ستاروں کی روشنی میں ”اصحابی کا نجوم“ اپنی منزل مقصود کا پتہ

لگا رہے ہیں۔ اگر ہم شاد و روان طوفانِ لوح کے حالات کا پتہ لگانا چاہیں تو ناکامی کے سوا ہم کو کیا ملے گا! اگر ہم مستکفانِ دادی تہیکے اخلاق و عادات سے واقف ہونا چاہیں تو خاک بیزی کے سوا کیا حاصل ہوگا! اگر ہم حواریینِ علیسی کے سوانح تلاش کریں تو چند غیر مری نقوش کے سوا ہم کو تاریخ کے صفحوں میں کیا نظر آئے گا، لیکن اصحابِ محمدؐ کے ایک ایک خط و خال کو ہم تاریخ کے مرقع میں دیکھ سکتے ہیں، اور اس مرقع کو مذہبی، علمی، سیاسی، اخلاقی غرض ہر حیثیت سے دنیا کے سامنے فخر کے ساتھ پیش کر سکتے ہیں!

(اسوۃ صحابہ حصہ اول)

بصائر و حکم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، - خلوت و جلوت میں خدا کا خوف رکھو۔ جو خدا سے ڈرتا ہے، وہ اس کے لئے ایک ایسی سمیل اور اس کے رزق کا ایک ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے، جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکتا، جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر دو بالا کر دیتا ہے بیشک بن گناہ خدا کی خیر خواہی بہترین تقدیر ہے۔ تم خدا کی ایسی راہ میں ہر جس میں افراط تفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، - صاحبِ امیرے اور پر تمہارے متعود حقوق ہیں، جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خرچ اور مالِ غنیمت سچا طور پر جمع نہ کیا جائے۔ ایک یہ کہ وہ میرے ہاتھ سے سچا طور پر صرف نہ ہونے پائے۔ ایک یہ کہ تمہارے روزیے بھلا تمہاری سرحدیں محفوظ رکھوں۔ اور یہ کہ تم کو خطہ میں نہ ڈالوں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، - لوگ کہتے ہیں کہ میں اپنے خاندانِ داؤں سے محبت رکھتا ہوں، اور ان کے ساتھ فیاضی کرنا ہوں، لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے۔ بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں۔ اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے، مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لئے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لئے؛ خدا کی قسم میں نے کسی شہرہ خرچ کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو اور مجھ کو صول ہو، - وہ انہی کے لوگوں کے رفقاء و پیروں پر صرف ہوا ہے، میرے پاس خمس آیا، اور اس میں سے بھی میرے لئے کچھ لینا جائز نہیں۔ مسلمانوں نے اس کو میرے مشورے کے بغیر مستحقین میں صرف کیا۔ خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف بھی نہیں کھاتا۔ میں اس سے کچھ نہیں لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ کھانا بھی ہوں تو اپنے مال سے!

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، - جہادِ جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے اس کو چھوٹا خدا سے ذلت کا لپٹا پہنا ہے اور سوائی کو شامل حال کرتا ہے، اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے۔ لوگوں سے وہی کہو جسے وہ سمجھ سکتے ہوں، کیا تم سے ہنس دیتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول؟ جھٹلایا جائے۔ اگر دینی مسائل کا انحصار محض رلتے پر ہوتا تو تلکے اور کے پاؤں سے زیادہ مسج کے مستحق ہوتے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں کی پشت پا پر مسج فرمایا (یعنی اسی کی - اتباع کرنی چاہیے)

باندیوں کے مسئلہ پر کھسی نئی ایک کتاب پر فاضلہ تنقید - ڈیڑھ روپیہ۔

مکتبہ تجلی دیوبند - پنی

باندیوں کا مسئلہ

مسجد سے نکلنے کا

تاکہ کر کے ہم سوختہ سامانوں کا چھارہ قری قافلہ گھر کی طرف چلا تو کم سے کم مجھے تو ایسا ہی حسوس ہوا تھا جیسے خود اپنے ہی جنازے کے ساتھ قبرستان تشریف لیجا رہا ہوں۔ رضیہ رہ رہ کر منٹار ہی تھی کیونکہ اسے کسی طرح کا خوف نہیں تھا بلکہ ناکام واپسی پر طرارہ اور عم تھا۔ فتو اٹلی سیٹ پر اٹھوں بیٹھا ہوا اٹھوں کی طرح دیدے بچار رہا تھا۔ وہ شاید یہ سمجھ رہا تھا کہ دکانوں اور شاہراہوں پر چلتے ہوئے برقی قلموں کا منظر بھی بایسکے آپ ہی کا کوئی حصہ ہے۔ اس کے چہرے پر بچوں جیسا استعجاب اور احمقوں جیسی طمانیت تھی۔ بیگم شاید آئینہ الکرسی کا درد کو رہی تھیں۔

”کہتے جناب کیا کہیں گی چل کے بھیاستے؟“ میں نے سوال کیا۔ وہ بھٹا گئیں۔

”میں ہی کیوں کہوں گی۔ آپ ہی پہلے کہتے گا۔“ مجھے اس کے سوا کیا کہنا ہے کہ مردہ بدست زندہ لے جایا گیا تھا۔ کیا آپ اس سے ملکر جائینگے کہ الجھتیہ کے حوالے سے ”گنگا جمننا“ دیکھنے کا جواز آپ ہی نے نکالا تھا؟“

”میں ضرور مگروں گی۔ مجھے کجخت کو کیا خبر تھی کہ بھیا آج ہی ٹوٹ پڑیں گے۔“

”بہت اچھے۔ میدھی جنت میں جانے کی تیرکیب بہت اچھی ہے کہ بھیا کے ہاتھوں شوہر کو پٹا دیا جائے۔“ ”اجی آپ تو کسی نہ کسی طرح بڑھ ہی لیں گے۔“

مجھے وہ ہرگز معاف نہیں کریں گے۔“ ”حد کرتی ہو۔ اگر انھوں نے نوکر ہی الگ کر دیا پھر؟“

”کیوں کرتے ہیں ذرا برا بھلا کہہ لیں گے۔“ ”تو گو یا میں کان پکڑنے کے تسلیم کر لوں کہ آپ کی بہن کو زبردستی غلام دکھانے کے گیا تھا۔“

”نہ خیر زبردستی تو وہ بھی باور نہیں کریں گے۔ آپ بس اتنا مان لیجئے گا کہ میں نے یہی اصرار کیا تھا۔ الجھتیہ کا حوالہ بھی آپ ہی دیجئے گا۔“

رضیہ کا گھر غریب خانے کی پشت پر لگی میں تھا۔ تاکہ یہاں پہنچا تو میں نے فتو کو رضیہ کے ساتھ کر دیا کہ اسے گھر چھوڑ آئے اور اب میرے جی میں آئی کہ بیگم کی گھر کے دروازے پر چھوڑ کر کہیں رو ڈھیلے ہو جاؤں۔

ایڈیٹر خلی کے خفیض و غضب کا سارا ابادل بہن ہی پر چھٹ لے تو بعد میں میرا بیٹنا آسان ہو جائے گا۔

لیکن تاکہ ابھی ڈیوڑھی پر چھبک طرح رکا بھی نہیں تھا کہ بیگم بولیں۔

”خدا کے لئے جلدی سے آرتیے۔“ ”تم آرت جاؤ۔ مجھے تو ایک بڑا ضروری کام یاد آ گیا ہے اسی تلنگے سے واپس جاؤں گا۔“

”ہائے اللہ جان نہ جلائیے۔ چلتے آرتیے۔“ میں آرتو گیا لیکن دل کی دھڑکنیں اب دوس سے

ضرب کھا کر کھو پڑی میں ٹھوکر میں مارنے لگی تھیں۔

ایڈیٹر جنرل سے میں اس نذر میںوں ڈرنا ہوں یہ یہودہ پا
 آج تک میری سمجھ میں نہیں آسکی ہے۔ ستارے گواہ ہیں
 کہ بارہا میں نصف رات کے سناٹے میں گھنے جنگلوں میں
 مارا مارا پھرا ہوں۔ زمانہ تھا جب صوفی تسکین علی کے
 بتائے ہوئے ایک وظیفے کے سلسلہ میں دیرانے کے
 ایک تالاب میں نصف شب کو گلے گلے بانی میں کھڑا
 ہونا پڑا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اجیر اور کلیر کے علاقوں
 میں کئی بار میں نے ہونیوار اور ان کے پہلوان حواریوں
 سے تنہا جھڑپ کیا ہے۔ ڈر کس جڑیا کا ناکا ہے یہ میرے
 فرشتے بھی نہیں جانتے لیکن یہ ایڈیٹر جنرل خدا جانے کس
 دنیا کی مخلوق ہے کہ اس کے سامنے پہنچ کر میں اپنے آپ کو
 بکری کی اولاد محسوس کرنے لگتا ہوں۔ بارہا میں نے اپنے
 آپ کو لگا کر اسے کر لے بزدل نابکار۔ ایڈیٹر جنرل بھی
 تو آدمی ہی ہے دیویا جن نہیں ہے۔ تجھ سے ڈرتے ہیں
 بھی چھوٹا ہے۔ تجھ پر لغت ہے کہ ایک شبت خاک سے
 اس قدر نرزاں نرساں وغیرہ وغیرہ۔

مگر لا حاصل۔ اس کے سامنے پہنچتے ہی ستارے دم دلا سے
 مددے کی تہ میں جا بیٹھتے ہیں اور دل حلق میں گھسکتا
 ہوا محسوس ہوتا ہے۔

”آپ نرا دیکھتے تو جیتا کیا کر رہے ہیں۔“ بیگم نے
 دہلی دہلی سہی سہی آداز میں کہا۔ وہ چاہ رہی تھیں کہ
 گھر میں پہلے میں ہی داخل ہوں۔

”یہ نیک کام ہی تو کر دے۔“ میں نے جواب دیا۔
 ”میرا تو جان نکل رہی ہے۔“
 ”میرا نکل بھی جلی ہے۔“

پھر ہم دونوں نے کوڑی کی ریخوں اندر جھانکا۔
 صحن میں راڈ کی دودھیا ریشمی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے
 کی چھٹی میں ایڈیٹر جنرل کرسی پر براجمان تھے اور ہاتھ
 میں کوئی اخبار تھا۔ ہو سکتا ہے پہلے وہ اسے پڑھتے ہی
 رہے ہوں، لیکن اب تو ان کی نظریں کہیں اور تھیں اور
 اخبار ایک بے مصرف کھلونے کی طرح انگلیوں میں لٹکھا

ہوا تھا۔ میرے دل کی اسپید نظر میں میں ہی مسد
 کے حساب سے تیز ہو گئی۔

”بہت عرصے میں ہیں۔“ میرے منہ سے نکلا۔
 ”ہوں۔۔۔ تو بتائیے ناکیا کرنا چاہتے۔“ بیگم نے
 کانپتی ہوئی آداز میں سوال کیا۔

”کیا کرنا چاہتے۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے میں ڈرنے
 کی کوئی ضرورت نہیں۔ یا لہجہ طری سطح پر گفتگو کرنی چاہتے۔“
 ”خدا کے لئے اس وقت تو سنجیدہ رہتے۔“

”سنجیدگی اگر کسی مرض کا علاج ہے تو سنجیدگی میں
 سنجیدہ ہو گیا۔ اب آپ بتائیے کیا تجویز ہے۔“
 ”میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آ رہا۔“ وہ دہا نسو ہو کر بولیں
 ”جو استدلال آپ نے سینما چلتے وقت پیش کیا تھا اگر
 وہی دہرا دیں تو کیا صحیح ہے؟“

”جھاڑو پھیر جائے استدلال پر۔۔۔۔۔ میری تو مت
 ماری گئی تھی۔“

آخر کار ایک تجویز میرے ذہن میں آئی۔
 ”دیکھئے جناب ایک ہی علاج ہے۔ نذرگوں نے
 کہا ہے ایک چپ سو کو ہر اسے۔ بس اندر چلو اور چپ
 سا دھلو۔ پھینک دو کچھ بھی کہیں ہونٹا کھینچے شنتی رہو۔ اس کے
 علاوہ اور کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔“

اسے میں فتو آ گیا اور میں ڈیوڑھی میں موجود
 پا کر چکا۔

”اجی میاں کوڑ تو دیسے ہی بھڑے ہیں۔ دھکا دیکھ
 کھول لیجئے۔“

اس کی کڑا کے دار آداز تو پ کا گولہ بن کر ہم ناکرہ
 گناہوں پر بھیجی۔ ظاہر ہے ایڈیٹر جنرل نے سن ہی لی ہوگی
 فوراً ہی ان کے جوتوں کی کھٹ کھٹ دروازے کی
 سمت بڑھتی محسوس ہوئی۔

”باب ہے۔۔۔۔۔ میں بڑا اس کے چھپتا۔
 پھر پانچ منٹ بعد ہم چھٹی میں ایڈیٹر جنرل کے سامنے
 جرموں کی طرح کھڑے تھے۔“

اٹھوں نے لمھے پر سات اٹھ سینیں پیرا میں عین
 وہ بے اختیار ہنست پھر بھی نہ چھپ سکا بخوان کے گوشہ آئے
 نرسے پو پو پو گیا تھا۔ میں نے دل ہی دل میں پو پو مارا۔
 اتنے میں تو ماما سے لے آیا۔ چائے مفاہمت کی فضا
 کو خوشگوار بنانے میں کئی درجہ معاون ہوئی ہے یہ راز کسی
 خوش ذوق سے چھپا ہوا نہیں۔ جب آنحضرت نے
 چائے کی دو چار چمکیاں لے لیں اور ماتھے کے مصنوعی شکن
 دائی شکستہ میں تیرلی ہو گئے تو بہن بولیں :-
 "اچھا بھئی آیر آخر قصہ کیا ہے۔ تھوڑے دن ہوئے
 الجھتہ ہی میں "برکت میں نور سخن" کی بڑی بڑی نصیروں
 بھی شائع ہوئی تھیں۔ آٹے دن عرسوں کے اعلانات
 بھی پھینکے رہتے ہیں اور اب لوگوں کی تعریف بھی چھینے
 لگی ہے۔"
 "اپنی قبر میں ہر شخص کو خود سونا ہے" انھوں نے
 بات طمانی "میں صرف تخی کی حد تک جوابدہ ہوں۔"
 "تخی کو تو سب لوگ وہاں پر چسکتے ہیں" میں نے
 ان کا موڈ دیکھ کر مہرہ عرض کیا۔
 "کون سب لوگ؟ وہ غراے۔
 "کون۔۔۔ جی ہی سب خورد و کلاں۔۔۔ یعنی کہ
 خوش عقیدہ سنی حقی لوگ۔"
 "قبول مت کیو۔ اس وقت تذکرہ اہل بدعت کا
 نہیں الجھتہ کا ہے۔ الجھتہ کے اور کین اٹلی تو دیوبندی
 مکتبہ کے تعلق رکھتے ہیں۔"
 "چلیے ہی ہی، لیکن آپ بھی تو دیوبندی ہیں تھارے
 اور نظموں کے بارے میں کیا اتفاق رائے ممکن نہیں۔"
 "تھاری بگو اس کا جواب دینے کے لئے میرے
 پاس فالو وقت نہیں۔ ختم کرو۔"
 "ختم کیا۔ لیکن مولوی شہیدالحی کو تو آپ بھی
 مائیں گے کہ نیک آدمی ہیں۔"
 "کون شہیدالحی؟" انھوں نے پراساٹھ بنایا۔
 "الجھتہ کی پیر قاضی والی شاخ کے انچارج۔"

"چلو اسے ہو۔
 "وہ پرسوں ہی کہہ رہے تھے کہ ملک کے بدلے ہوئے
 حالات میں مسلمانوں کو فوجی تامل کا زیادہ سے زیادہ
 لحاظ رکھنا چاہئے۔"
 وہ سوالیہ نظروں سے مجھے گھورتے رہے۔ میں نے
 گفتگو پر جاری رکھی۔
 "مثال میں انھوں نے فلم "گنگا جنا" ہی کو پیش کیا تھا
 کہہ رہے تھے کہ اڈاں تو اس فلم کا نام ہی فوجی نقطہ نظر سے اتنا
 مقدس ہے کہ جذباتی ہم آہنگی کی خاطر مسلمانوں کو اس سے
 بھر پور دلچسپی کا مظاہرہ کرنا چاہئے۔ دوسرے اس کی کہانی
 بڑی قوم پرستانہ ہے مسلمان اسے دیکھ کر اپنی ذہنی فضا کو
 قوم پرستانہ احساسات کے لئے حد درجہ سازگار بنا سکتے ہیں۔"
 "میں حیرت مار دوں گا۔" وہ اچانک تڑپے، لیکن؟
 تڑپا حیرت سو فیصدی جعلی تھی۔ ان کی آنکھوں میں سم قص
 کر رہا تھا۔ میں نے شہرہ یاکر مہرہ عرض ثانی عرض کیا۔
 "جیت آپ شوق سے ماروں لیکن مولوی شہیدالحی
 جیسے آدمی کی بات نظر انداز نہیں کی جا سکتی۔"
 "تم رفتہ رفتہ کسی مہرہ کے مسخرے بنتے جا رہے ہو۔
 مولوی شہیدالحی ایک صالح آدمی ہیں کبھی ایسی لغو باتیں نہیں
 کہہ سکتے۔"
 "اب آپ کے حسن ظن کا میرے پاس کیا علاج ہے اگر
 موقع ہوا تو کل ہی میں انھیں آپ کی خدمت میں لاؤں گا۔
 آج کل یہیں اپنی شسرال آئے ہوئے ہیں۔"
 "کے جاؤ گے۔ ان کا نکاح تو میرٹھ میں ہوا تھا۔"
 "جی ہاں نکاح تو میرٹھ ہی میں ہوا تھا افسوس شسرال کا
 بیشتر حصہ میرٹھ ہی میں فروکش ہے لیکن ان کی زوجہ کے چچا زاد
 بھائی کی میا ساس نے دیوبندی میں اپنی ایک لڑکی سیاہی
 ہے۔ مولوی شہیدالحی صاحب صلہ رحمی کے خیال سے اس
 لڑکی کے گھر کو بھی اپنی شسرال ہی کہتے ہیں اور ہر چہ دو چار
 روز ضرور قیام کرتے ہیں۔"
 وہ اس انداز میں کھنکارے جیسے گلے میں کوئی بد مزہ

جیتر تک ہی ہو چکر سردی میں ہمیں لے لے۔

”تم سے بڑا یادہ گواہ اور زبان دراز شاہی اس دنیا میں کوئی پیدا ہوا ہو۔ تمہیں یہ رشتہ داریاں کہاں سے معلوم ہوئیں؟“

”انہوں نے بتایا تھا میں نے برجستہ سلیم کی طرف اشارہ کیا سلیم چونک گئیں۔“

”میں کیوں بتائی۔ مجھے کیا معلوم مولوی شہید الحق کیوں ہیں۔“

”اب ہر بات میں جھوٹ بولگی“ میں نے تلخ لہجے میں کہا ”تم ہی نے تو یہ بھی بتایا تھا کہ مولوی شہید الحق کی خلیا ساس کے ایک نواسے کی شادی خواجہ شہادت حسین کے خالہ زاد بھائی کی بیوی زاد ہن کے ساتھ ہوئی۔“

”جو اس بند کرو۔“ ایڈیٹر نے دباؤ سے کہا۔

سچ سچ انھیں طرارہ آ گیا تھا۔

پھر کچھ دیر بعد یہ شخص برخواست ہوئی۔

لیکن میرے لئے مولوی شہید الحق کے حق میں ایڈیٹر تجلی کا حسن ظن مستقل جلیج کا درجہ رکھتا تھا۔ پھر وہ کہتا تو آ رہا تھا کہ آج میرا ہر سچ جھوٹ بنا جا رہا ہے۔ شہید الحق صاحب کے خیالات میں نے غلط نقل نہیں کئے تھے۔ یقیناً انہوں نے مجھ سے وہی کچھ کہا تھا جسے میں نے پوری ایمانداری کے ساتھ دہرا دیا۔ بس فرق الفاظ کا ہو سکتا ہے، لیکن ہر صاحبِ علم جانتا ہے کہ روایت بالمعنی پر تو بڑے بڑے علم کا مدار ہے جسکے علم الحدیث میں بھی روایت بالمعنی کو پوری قبولیت حاصل ہے۔

اب مرحلہ یہ تھا کہ کس طرح مولوی شہید الحق کو ایڈیٹر تجلی کے سامنے بھیج کر لاؤں اور ان سے وہی خیالات اُگلواؤں جنہیں ایڈیٹر تجلی میرے طبع زاد خیالات تصور فرما رہے تھے۔

اللہ کا کرنا دیکھئے۔ گردن لٹکا کے اسی منکر میں غلطیاں پہچان چلا جا رہا تھا کہ سردار مولوی صاحب سے

تذکرہ پڑھ لینی۔ میں نے سردار پانیاک بن کر سلام عرض کیا اور انہوں نے بڑے ششققانہ انداز میں جواب صادر فرمایا۔

”گورنمنٹ شریف لے جا رہے ہیں حضرت؟“ میں نے یوں دبانہ پوچھا۔

”نہیں نہیں ذرا ٹھٹھلنے نکلا تھا۔ یہاں کی آب ہوا معدے کے لئے کچھ سا رکاوٹ ثابت نہیں ہوئی۔“ انہوں نے پریٹ پر ہاتھ پھیرنے ہوئے ایک جاندار قسم کی کارکی ”جی ہاں بے شک۔ خود میں بھی اسی لئے ٹھٹھلنے کا

عادی ہوں۔ اجازت ہو تو آپ کے ساتھ۔۔۔۔۔“

”ارے ہاں ہاں کیوں نہیں۔ تم ساتھ رہو گے تو ذرا لمبی چلنی ہو جائے گی۔“

بازار سے گذر کر ہم تارکوں کی سیاہ گرانٹ ٹرنک روڈ پر پہنچے۔ یہ ٹھٹھلنے کے لئے بڑی اچھی سڑک ہے اور اسی کے پہلو میں بیچنگل شاہ کی درگاہ بھی ہے جس سے متعلق

خوش عقیدہ مجاہدین کا دعویٰ ہے کہ اس کے دم سے ایک ایک میل تک کی سڑک ہمیشہ ایر کنڈٹینڈ رہتی ہے۔

میں سوچ رہا تھا کس طرح حرفِ مطلب زبان پر لاؤں۔ وہ دو چار کلاں سائز کی ڈکاریں لینے کے بعد فرما رہے تھے۔

”بوعصر خاطر خواہ ٹھیل لیا جائے تو رات کا طعام خوب چلتا ہے۔ دو ہر فرنی اور کوار کے معدے کو جوصل کر دیا۔ اب انشاء اللہ بھوک نکل آئے گی۔“

میں نے کچھ نہیں سنا۔ لیکن جی ہاں جی ہاں کا ورد بہر حال ناگزیر تھا۔ اچانک میں موضوع کی طرف آیا۔

”حضرت آپ کے جو اس دن سلم گنگا جمنائے تعلق سے کچھ نکات ارشاد فرمائے تھے انہوں نے بڑا کام کیا۔“

”اچھا۔۔۔ کیا؟“

”ایڈیٹر تجلی کو تو آپ جانتے ہی ہیں کہ نہایت رجعت پسند اور وہابی ٹائپ کے آدمی ہیں۔“

انہوں نے بڑا سامنہ بنایا ”ہاں خوب جانتا ہوں

اس کے چچا مسلم لیگ میں تھے اور وہ خود بھی آج تک اندر سے مسلم لیگ ہی ہے۔

”بالکل جیسا فرمایا۔ لیکن یہ سنکر آپ کو خوشی ہوگی کہ عاجز نے دفتر رفتہ ان کے فاسد خیالات کی بہت کچھ اصلاح کر دی ہے۔ اب یہی دیکھتے آج کا حوالہ دیتے بغیر میں نے انھیں گنگا جمنائی قوم پر دورانہ حیثیت اور وغیرہ وغیرہ پر مطمئن کرنے کی کوشش کی تو پہلے ذرا اگیٹ گئے مگر جب میں نے منکشف کیا کہ یہ خیالات کسی ایسے دہیسے کے نہیں ہیں حضرت مولانا شہید الحق بھی ان کے تائب ہیں تو پہلے تو حیرت سے مجھے گھورا پھر جھٹلانے لگے کہ تو غلط کتاب ہے ایسے صاحب علم بزرگ اس طرح کے خیالات کی تائید نہیں کر سکتے۔ میں نے عرض کیا کہ تو فی ظلم دیکھتے ہیں اور علم و فضل میں تضاد نہیں ہے موجود ملکی حالات میں مسلمانوں کے مستقبل کی خاطر ہر ذخی علم بزرگ لازماً تو فی تامل میں بے زور رہے گا۔ ہر بات میں فتووں اور فقہی فیصلوں کی ٹانگ نہیں اڑانی چاہیے۔“

مولانا کے چہرے پر بڑی بتاشرت نظر آئی۔ مجھے چپ ہونے دیکھ کر جلدی سے بولے۔

”بھرا؟ بھرا؟ بھرا؟ کیا کہا؟“

”کہنا کیا تھا۔ پہلے تو مجھے اس طرح گھورتے رہے جیسے میری صداقت پر اعتبار نہیں بھرا گردن کو اثباتی انداز میں جنس دے کر کہنے لگے کہ مولانا شہید الحق کے علم و فضل کا میں دل سے قائل ہوں۔ انھوں نے اگر کوئی فیصلہ کیا ہو گا تو روح شریعت کو نظر انداز کر کے نہیں کیا ہو گا۔“

یہ کہتے ہوئے میں نے گوشہ چشم سے ان کے رونے پر زور کو دیکھا۔ وہ رمضان کی چاند والی انیسویں کی طرح کھلا ہوا تھا۔ قدیموں کی رفتار ملکی کر کے فریٹانے لگے۔

”ایڈیٹر تجلی ہے تو کچھ لغو سا آدمی مگر اتنا بھی نہیں کہ اس کی رائے کو بالکل ہی ناقابل لحاظ مان لیا جائے۔ جہاں تک پڑتا ہے پُر قاضی میں بھی کسی نے

بتایا تھا کہ رفتہ رفتہ اس کے خیالات میں سمجھاؤ آنا جا رہا ہے۔ میرے بارے میں اس کا یہ انداز نظر ثابت کر رہا ہے کہ واقعہً اب وہ صحیح خطوط پر سوچنے کا اہل ہو چکا ہے۔“

”جی ہاں فدوی کی بھی یہی رائے ہے۔ فدوی نے تو ان سے کہا تھا کہ جب مولانا شہید الحق ہی گنگا جمنائی قوم کی غلوں کی ہمت افزائی کے حق میں ہیں تو کیوں نہ ہم سارے ہندوئی بھی کسی شوکی سیٹیس تک کر آئیں۔ مگر۔۔۔“

”ہاں ہاں کیا مگر؟“ وہ مجھے رکتا دیکھ کر بیٹابی سے بولے۔

”ایک تو وہی پُرانی وہاں سمیت جھکے ہیں کہ داڑھی ہمت سینا کیسے جاؤں۔ دوسرے ابھی میرے قول پر پورا اعتماد نہیں ہے۔ کہہ رہے تھے کہ جب تک اس بارے میں خود مولانا شہید الحق ہی سے تبادلہ خیالات نہ کریں گا کوئی فیصلہ نہ کر سکیں گا۔“

”ہاں بھئی تو یہ کیا شکل ہے۔ آپ انھیں صبح کی چائے پر میرے یہاں لے آئیے۔“

”آپ کے یہاں؟“ میں نے چونکنے کے انداز میں کہا۔

”پُر قاضی تو شاید وہ نہ جاسکیں۔“

”تو پُر قاضی کیسا۔ میں نہیں کہنے کہہ رہا ہوں۔ میرے میزبان میرے ہمانوں کو بھی مرا کھوں پر لیتے ہیں۔“

”لیکن ایڈیٹر تجلی یوں ایک ایسی آنا مشکل ہی سے پسند کریں گے۔“

”تو پھر ہمیں اور انھیں چائے وغیرہ پر بلا لو۔“

”باب سے۔۔۔ نہ تو یہ۔۔۔ ہاں ٹھیک تو ہے۔ کل ظہر کے وقت آپ ایڈیٹر تجلی ہی کے یہاں زحمت فرمائیں میں بلائے حاضر ہو جاؤں گا۔“

”کوئی مضائقہ نہیں۔ چائے تو پینی ہی ہے۔ یہاں نہ پی وہاں پی لی۔“

اسنے میں آذان مغرب کی صدا بلند ہوئی۔ ان کے لئے اس دیرانے میں یہ آواز شاید غلاف وقوع ہی تھی۔ چونک کر ادھر اُدھر دیکھا۔

اسے ہی یہ اداں کہاں ہوئی؟

”جی وہ سانسے پیر جنگل شاہ کی درگاہ میں۔۔۔ آج جمعرات ہے۔ درگاہ میں خاصا مجمع ہوگا۔“

”خوب۔۔۔ چلو شریک جماعت تو ہو ہی جائینگے۔“

”جی۔۔۔ میں سٹپٹا یا۔“

”ہاں ہاں جی کیا۔ ارے کبھی مغرب تو پڑھنی ہے۔“

”بیشک مگر وہ۔۔۔ دیکھئے ایڈیٹر تحلی ہی نے بتا رکھا ہے کہ قبروں کے پاس نماز پڑھنا ٹھیک نہیں۔“

”اے وہ تو ہمیں بھی معلوم ہے۔ لیکن عزیزم قوتوں میں حالات زمانہ کی بھی رعایت ضروری ہوتی ہے۔“

اب سلمان جن نازک حالات سے گذر رہے ہیں ان میں باہمی جنگ و نزاع کی بجائے مفاہمت اور رواداری کی سعی تبلیغ ہونی چاہئے۔ عسوں اور قبر پرستیوں کی خلاف

ہم نے بھی پہلے دھواں دھار تقریریں کی ہیں لیکن اب قومی اور اجتماعی سطح پر سوچنے کا دور ہے۔ کچھ وہ پڑھیں کچھ ہم پڑھیں۔ اسی طرح قومی بیڑا پار لگ سکتا ہے۔“

”قومی۔۔۔ یعنی آپ کا مطلب ہے قومی۔“

”ہاں ہاں قومی۔ کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”میرا مطلب ہے قومی تو شاید آج کل ساری بھارتی جنتا کے لئے بولا جاتا ہے۔“

”آف بڑے کوچ ٹیم ہو۔ بھتی محل استعمال تو دیکھا کرو۔۔۔ خیر چلو آذان خانے پر ہے۔۔۔“

یہ کہتے ہوئے وہ گرانٹ ٹرنک روڈ سے اتر کر کچی ٹیلا پر قدم زن ہوئے جو سانسے کی درگاہ تک جاتی تھی۔

میرے پیر کی کئی من کے ہو گئے۔ واقعب یہ ہے کہ بد سے بدتر کاموں میں مجھے مار نہیں۔ مثلاً شطرنج کھیل سکتا ہوں۔

سینما دیکھ سکتا ہوں۔ پننگ لڑا سکتا ہوں مگر درگاہ میں نماز۔۔۔۔۔ خدا کی پناہ۔ اس کے تصویر ہی سے مجھے ہارٹ

اٹیک ہو سکتا ہے۔ خدا جانے غلط ہے یا صحیح اسی دہائی سانسے نے بتا رکھا ہے کہ اللہ ہر گناہ معاف کر سکتا ہے۔ مگر شرک کو کسی بھاد معاف نہیں کرتا۔ باپ سے باپ۔

لیکن مولانا سہید اعجاز بھی تو آخر کے عالم ہیں۔ غلط میں ایک مرتبہ انھوں ہی نے جہنم کا نقشہ اس طرح کھینچا تھا کہ کڑا کے کی سردی میں حاضرین کو سینے چھوٹ گئے تھے۔ خود میں بھی حاضر مجلس تھا ایسا ہی محسوس ہوا تھا جیسے زمین سے آسمان تک آگ ہی آگ ہو۔

”اٹک کیوں گئے آؤنا“ انھوں نے مڑ کر کہا۔

”ب بات یہ ہے حضرت جی میرے کپڑے پاک نہیں ہیں۔ آپ پڑھا آئیں میں یہیں منتظر ہوں۔“

”استغفر اللہ۔ ارے آؤ تھی گھر جا کے دہرا لینا۔“

”جی بس آپ چلیئے۔۔۔“

وہ مجھ ہی مجھ میں لا حول و غیرہ پڑھتے ہوئے درگاہ میں داخل ہو گئے۔ اب میں نے پاس کے کھیت میں گھس کر

رہ پٹ پر وضو کیا اور کھٹا کھٹ اکیلے ہی پانچ رکعتیں کھینچیں۔ پھر نظر ڈالی کہ مولانا بھی درگاہ سے طلوع ہو رہے ہیں یا نہیں

نہیں نظر آئے تو دو انگلیں اور منٹا دیں۔ اب بھی وہ نہ وارد ہوئے تھے۔ دس منٹ تک تسبیح پڑھتا رہا۔ پھر دس منٹ ٹھلا

مگر وہ شاید عشاء بھی درگاہ ہی میں پڑھنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ ہارمونیم کی نالوں پر کسی خوش گلو تو ال نے تہییدی

مٹرا اٹھانے شروع کر دیئے تھے۔ ساتھ ہی طبلہ بھی ٹھنکا۔ پھسو تو میں بھی درگاہ کی طرف پڑھا اور پشت بر جا کر ایک

سوراخ سے چھانکا۔ مزار کے پاس چھپکڑی جی تھی چھپکڑی سے مراد چھ آدمی نہیں ہیں، بلکہ عشاق کا وہ مجمع ہے جس میں

میر مجلس کی حیثیت اس معزز قوال کو حاصل تھی جسکی بھر جی ہوتی ٹھوڑی پیرا سترے کے نشان میں اتنی دور سے بھی

گن سکتا تھا۔ یہاں دراصل ہنڈہ ر دشن تھا اور اسکی بھر پور روشنی میں مولوی تہیید الحق کے چہرے پر بھی تصوف کا وہ

نور عبور صاف نظر آ رہا تھا جو مرحوم ہزرگوں کی ہڈیوں سے بطور نفاذ سفورس حال کیا جاتا ہے۔ ان کے جسم کو بیٹھنے کا

انداز ایسا ہی تھا جیسے باقاعدہ مدعو ہو کر آئے ہوں اور خاتمہ محفل سے پہلے اٹھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا ہو۔ کمال دیکھنے قوال نے قوالی بھی گنگا جنتا ہی کے

ایک طرز پر تلاوت کی اور ہاؤ بڈ کے شور سے دیرانہ گونج اٹھا۔ ایک بار تو میرے منہ سے بھی بے اختیار ”سٹل“ کمر و ارشاد ہو، مگر خیریت گذری فرط انہماک میں کسی نے سنا نہیں اور جلدی سے میں نے اپنا منہ دبا یا۔ مجھے معلوم تھا کہ فوشن خفیہہ حلقوں میں ایڈیٹر تجلی کے ساتھ میسری شہر بھی کچھ کم خراب نہیں ہے اور بہت سے لوگ فکر میں ہیں کہ کہیں موقع طے نہ ملتا کی جی بھر کے مرمت کریں۔ مرمت تو وہ ایڈیٹر تجلی کی بھی کرنا چاہتے ہیں مگر ان کے بائے میں امید نہیں ہے کہ کبھی گھیرے میں آسکیں گے، لیکن ملا کر اندھیرے آجائے گھیر لیا ان کی دانست میں غیر ممکن نہیں ہے۔ خود میں بھی گھبتا ہوں کہ اگر کہیں موقع پھر گیا تو پڑیاں تک کل الجواں ہر میں تبدیل ہو جائیں گی۔

بائے ایک گھنٹے بعد قرانی ختم ہوئی اور مولوی شہید الحق بعض دیگر احتیاجی مراسم سے قبل ہی باہر نکل آئے۔ جی میں تو آئی کہ ریح کی بولی میں میں بھی چند تو الیاں ان کے کان کی بکر میں عرض کر دوں، مگر اصل مقصد کی خاطر ضبط نفس سے کام لینا پڑا۔

”اے میاں کہاں رہ گئے تھے۔ اندر آگئے ہوتے۔“
”آپ نہیں جانتے قبلہ۔ یہ صوفی لوگ مجھے دیکھ کر ہتھ سے اُٹھ جاتے۔“

”اجی چھوڑو۔ پچھلے اختلافات انگریزوں کے ساتھ گئے۔ اب تو عرض و قرانی وغیرہ کی تقریبات بل بل کے منانی چاہئیں۔ اسی سے دوسری اقوام پر ظاہر ہوگا کہ مسلمان متحد ہیں۔ اتحاد ثابت ہو جائے تو فساد و ساد اپنے آپ ختم ہو جائیں گے۔“

”حق فرمایا۔ بندہ خود اسی طرز فکر کے حق میں ہے مگر لطف تو جب ہے آپ ایڈیٹر تجلی کو بھی قائل کریں جب تک وہ راہ راست پر نہیں آئیں گے مجھ حقیر فقیر کی عاقبت روشن نہیں ہو سکتی۔“

”ہو سکتا ہے وہ بھی سادھر جائے۔ کل اس پہلو کو بھی نظر میں رکھیں گے۔ تو ٹھیک فکر کے بعد آئے ہے ہر ناچ“

یہ تو مشکل ہی تھا کہ میں براہ راست ایڈیٹر تجلی کو عصر نے پر آمادہ کرتا۔ البتہ ایڈیٹر اس کی خوشامد کر کے معاملہ بکا کر لیا اور پھر ہم دونوں نظر کے بعد اس طرح دو لٹکے پر پہنچے جیسے اتفاقاً آئے ہوں۔ وہ مسجد سے نکل ہی رہے تھے کہ ہم نے جالیا۔ ظاہر ہے وہ مولوی شہید الحق کے مصالحت سے خزار اختیار نہیں کر سکتے تھے۔ مکلف علیک سلیک کے بعد ہم مٹھاک میں پہنچے۔ مولوی شہید الحق کی رفقا تو قدرتا معزز نہان ہی کی کسی تھی مگر میں ڈر رہا تھا کہ کبیر کوئی ایسی بات ان کے منہ سے نہ نکل جائے جس سے راز کھل جائے۔ شکر ہے پردہ کم سے کم فوری طور پر اٹھا نہیں۔ بعد میں انھیں کچھ احساس بھی ہوا تو ظاہر ہے منہ چھانڈ کر یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ نہان کی ایسی سی۔

ایڈیٹر اس نے اچھے خاصے عصرانے کا اہتمام کر دیا تھا۔ جب ہر دو بزرگوں کو میں نے پوری طرح شہیرہ شکر محسوس کر لیا تو دفعتاً ایڈیٹر تجلی سے گویا ہوا۔
”آپ خود ان سے پوچھ لیں میں نے کیا جھوٹ کہا تھا۔“

”ہشت“ انھوں نے اس انداز میں ٹوکا جیسے مجھ بچے کی تو تلی زبان سے بھولیں میں گالی نکلی ہو۔ انھیں دراصل یقین تھا کہ میں نے خالص افترا پر داری کی ہے اور یہ بد اخلاقی ہوگی کہ گھر آئے نہان کو ایک نامتوسوخت بخت سے خفیہ کیا جائے۔

”کیا بات ہے؟“ مولوی شہید الحق نے پوچھا۔
”کچھ نہیں۔ اس کی تو عادت ہی لغو گوئی کی ہے۔“
سعادت مندر سالے نے بہنوئی کی سمیت افزائی کی!
”میں نے کہا تھا نا آپ کے انھیں یقین ہی نہیں آتا۔ یہ الفاظ میں نے مولوی شہید الحق سے فریاد کے طور پر کہے۔“ اب ذرا آپ ہی شفقی فرمادیں۔“
”ارے ہاں بھئی“ مولانا نے بڑی شفقت سے

ایڈیٹر صاحب کی طرف رخ کیا "مجھے بڑی خوشی ہوئی یہ معلوم کر کے کہ آپ نے بھی بہتر انداز میں سوچنا شروع کر دیا ہے۔ واقعی آدمی حالات سے کہاں تک شیم پوشی کر سکتا ہے۔ اب تو کام تال میل ہی سے چلے گا۔"

ایڈیٹر صاحب کے ہاتھ کی پیالی ہونٹوں سے دو انچ ہی کے فاصلہ پر معتق رہ گئی۔ وہ دائرے کے انداز میں منہ کھولے مولانا کو تک سے تھے اور استعجاب کی شدت سے ان کی دائرہ صحنی کے کئی بال ہاتھوں ہاتھ سفید ہونے نظر آئے۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا" انھوں نے خشک لہجے میں سوال کیا۔

"میرا اشارہ قومی ہم آہنگی کی طرف ہے" مولانا تین چار نمک پاروں کو چائے کی مدد سے حلق سے نیچے اتارتے ہوئے بولے "جو خیالات میاں ملانے آپ تک پہنچائے ہیں انھیں بے شک میں نے بہت غور و فکر کے بعد اختیار کیا ہے اور فقہی نزاکتیں بھی میری نظر میں ہیں ہر آئینہ یہی بات حکمت کے عین مطابق نظر آتی ہے کہ قومیت کے ہر حلقے میں زیادہ سے زیادہ اشتراک و ہم آہنگی پیدا کرنے کی سعی شیم کی جائے۔ دراصل یہ آئے دن کے فسادات یہ مسلمانوں کی حق ماری یہ تعصب کی گرم بازاری سب اسی لئے ہے کہ ہم مسلمانوں کے طور طریق سے علیحدگی پسندی کا رجحان شدت سے ظاہر ہوتا ہے۔ ہم اگر فقہی مسائل اور سماجی آداب مراسم کو ڈال ڈال کر دائروں میں رکھ کر اپنی راہ عمل معین کریں تو میرا خیال ہے اہل سنت و اہل حق کی بدگمانیاں کم سے کم تر ہو سکتی ہیں اور بعید نہیں کہ ہمارے اس توسع ادب و تمدن نظری سے ایک دن وہ متحدہ بھارت جنم لے جس کے خواب ہم سب مدت سے دیکھتے آ رہے ہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ اب رواداری اور ہم آہنگی ہی نہیں ہلاکت سے بچا سکتی ہے ورنہ ہمیں پس ڈالا جائے گا۔ بھون ڈالا جائے گا۔"

یہ موقع تقریر کر رہے تھے اور لڑھکے سے دل چھٹا رہے تھے۔ مسائے سلا کے چہرے پر ایسے آثار تھے جیسے مولانا کے ہاتھ پر سنگ دیکھ کر دم بخورہ گئے ہوں۔ یہاں جہاں کی تباہی تھی۔ جیسے کسی جادوگر نے اچانک حلقہ پتھر بے جاں مجھے میں تبدیل کر دیا ہو۔

"میں سمجھتا ہوں سلم لیگ کے فلسفہ کو آپ جیسا کوئی بھی ذہین و شیم آدمی اب سمجھ لگا ناپسند نہیں کرے گا۔" مولانا نے نصف کیلے کا لقمہ ہلکتے ہوئے سلسلے ارشاد جاری رکھا "وہا بہت بھی اب بعد از وقت ہو چکی۔ عرس وغیرہ قومی آہنگی کا ایک اچھا ذریعہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ آپ دیکھتے ہی ہیں کہ بڑے عرسوں میں ہمارے وزیر اور غیرہ نہ صرف پیغام بھیجتے ہیں بلکہ موقع بہ موقع شریک بھی ہوتے ہیں۔ اونچے درجے کی دو گاہوں پر آپ مسلمانوں کے علاوہ کتنے ہی غیر مسلموں کو بھی سرخیزت چھکاتے ہوئے دیکھ سکتے ہیں۔ یہ آثار بحالات موجودہ خوشگوار ہی کہے جاسکتے ہیں۔"

"ماترا اشد" ایڈیٹر صاحب کے ہونٹوں سے شاید غیر شعوری طور پر نکلا۔ پھر انھوں نے دھڑ دھڑ سی سی لی او سیالی کو ٹرے میں رکھتے ہوئے ایسی کھیر آواز میں بولے جو کونوں کی تہ سے آتی محسوس ہوتی تھی "یہ طرز فکر میرے لئے حیرتناک ہے۔ آپ کے بارے میں میرے خیالات بہت بدلتے ہیں۔"

"آپ کی ذمہ داری ہے" مولانا نے داد قبول کرنے کے انداز میں کہا "میں نے ابتدا ہی سے نظری اور عملی مسائل میں تواقی پیدا کرنے کے اصول پر بڑی محنت کی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں روز نامہ الجمعیۃ بفضلہ تعالیٰ اب کسی بھی ترقی یافتہ جریدے سے پیچھے نہیں۔ مترشح مترشح میں بعض اراکین نے تصویروں اور عرسوں کے اشتہارات وغیرہ کی شدید مخالفت کی تھی لیکن میں نے علی وجہ البصیرت واضح کیا کہ آپ لوگ غلطی پر ہیں۔ آخر کار استدلال کے آگے انھیں جھکنا پڑا۔"

"لیکن مولانا گستاخی معاف" ایڈیٹر صاحب بولے "کیا آپ بھی گنگا جنادیکھ آئے ہیں؟"

”جی۔۔۔ جی نہیں تو۔ میں نے تو نہیں دیکھا تاہم
... میں نے گھر کے کسی فرد کو روکا بھی نہیں۔ اب میں
خود کیا بڑھا ہے میں سنیما ہالی کا رخ کرنا۔“

گمان تھا کہ جو ابی بخت کا چہرہ اب سارے صاحب
چلا ہیں گئے، لیکن وہ چند ثانیے اس طرح ہونٹ کھٹے رہے
جیسے توں توں کر رہے ہوں پھر ایک قسم کی مسکراہٹ
پیدا کرتے ہوئے ٹھیک اسی اسلوب میں گل افشاں ہوتے
جس اسلوب میں یہ عاجز حویلیار گل افشاں ہوتا ہے۔

”بڑھاپا تو نیک کاموں کے لئے سب سے زیادہ
موزوں ہے مولانا! اگر ہندی مسلمانوں کے مستقبل کا بار
اب اسی تال میں پرے تو آپ جیسے بزرگوں کو کھل کر آگے
بڑھنا چاہیے۔ میں آپ کی جگہ ہوتا تو گنگا جمنی پلانے والے
سنیما کے ٹکٹ گھروں پر ہر شو میں باقاعدہ کھڑا ہوتا تاکہ
ہر شخص دیکھے اور سنی لے۔“

مولانا نے قدرے تشویشناک انداز میں ایڈیٹر صاحب
کو گھورا۔ انھوں نے غالباً لب و لہجے کا استہزاء محسوس
کر لیا تھا۔

”آپ میری معروضات کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے
ہیں۔“ مولانا کے لہجے میں احتجاج تھا ”حالانکہ میرے پاس
دلائل ہیں۔ آپ واضح فرمائیں کہ سنہ ہندوستان میں مسلمانوں
کی عزت منداندہ زندگی کے لئے آپ قومی ہم آہنگی اور تال
میل کے سوا اور کونسا راستہ ممکن تصور فرماتے ہیں۔“

”قومی ہم آہنگی اور تال میں! ایڈیٹر صاحب نے ان
الفاظ کو اس طرح جبا جبا کے دہرایا جیسے ان کا قہر بنا رہے
ہوں۔ میں تو قبل آج تک ان الفاظ ہی کے مفہوم سے نااہل
ہوں۔ چھوڑتے یہ بخت آپ جیسے بزرگوں کے سامنے میں
کیا بول سکتا ہوں۔“

پل بھر کے لئے تو مولانا کے چہرے پر جان بونی سی کھل گئی
مگر پھر انھوں نے خاصی مشکوک نظروں سے ایڈیٹر تجلی کے
بشرے کا جائزہ لیا اور پھر گوشہ چشم سے مری فریسیے کرکٹے
انداز میں دیکھا جیسے کہہ رہے ہوں:-

”تم تو خدیت کہتے تھے ایڈیٹر تجلی راہ راست پر آنا
چارہ ہے۔“

میں نے مناسب یہی سمجھا کہ دو چار نمک پارے اور
نمٹ ادوں۔ آخر کار یہ نفل برخواست ہوئی۔ اب مجھے اپنی
ذہنیت نظر نہیں آ رہی تھی۔ سو جا کہ مولانا کے ساتھ ساتھ ہی
لگا لگا نکل جاؤں گا، مگر مظلہ فرجے۔

”بیٹھو۔“
میں طوعاً و کرہاً بیٹھ گیا، لیکن ساتھ ہی معذرت بھی
کی۔ ”دیکھیے مولانا کا غصہ مجھ پر مت اتا رہیے گا۔ میں نے
تواہت کر دیا ہے کہ کل آپ نے مجھے دروغ لکھ کر انصاف
نہیں کیا۔“

”چلو برتن اٹھاؤ۔ تمہیں جواب دہی کرنی ہو گی کہ
مجھے اطلاع دینے بغیر تم نے میرے یہاں مولوی شہید الحق کو
دروغ کیسے کیا؟“

”مجھے پھانسی دیدیجئے مگر قومی تال میں ہم آہنگی
ایکتا۔۔۔۔۔“

”حلق بند کر دو وہ بڑی طرح دہاڑے۔ یہ ہاڑا ایڈیٹر
نے بھی سن لی تھی۔ میں برتن سنبھالے اندر پہنچا تو وہ بولیں:-
”ارے بچکے وہ کس پر بگڑ رہے ہیں؟“
”مجھ پر تعجب کے سوا کس پر بگڑیں گے“ میں نے
بڑی مظلومیت سے کہا ”خفا ہیں کہ بغیر پوچھے دعوت
کیسے کی۔“

اتنے میں ایڈیٹر صاحب بھی گھر میں آگئے۔ ایڈیٹر
نے بڑی شفقت سے برتن میرے ہاتھ سے لے لئے اور ایڈیٹر
صاحب نے گویا ہو میں:-

”ہائے اللہ آپ تو اس غیب کی جان نکال دینگے
ذرا دیکھئے تو ڈر کے مارے چارے کا ٹھکانا ثابت کیا ہے۔“
”تم نے اسے اور سر پر چڑھایا ہے۔“ وہ تڑختے ”میں
پوچھتا ہوں یہ مجھے پوچھے بغیر دعوت پر معنی دار ہے؟“
”ہائے اللہ یہ کوئی دعوت تھی۔ اب کیا آنے جلنے
والوں کو خالی چاہے جایا کرے گی۔“

”آپ تو سعی و سبب کی سیم میں نا۔ خبر ہے آمدنی اور کج کا توازن کیا ہے؟“

”سب خبر ہے۔ آپ اپنا کام کیجئے۔ چوٹھے ہانڈی سے سر کھینا میرا کام ہے آپ کا نہیں۔“
”افوہ۔ تم عورتوں کی عقل گدھی میں ہوتی ہے جوٹھے ہانڈی کے لئے خرچ بھی کیا تم ہی لاؤ گی؟“

”خدا نہ کرے میں ناؤں۔ آپ تو جوٹھے میں آتے ہیں کہہ گدرتے ہیں۔ ہم کم تجربوں کی عقلیں تو گدھی میں بھی کہاں ہوتی ہیں ہوتی ہی نہیں ہیں۔“
آخری جملہ ادا کرتے کرتے ان کی آواز بھرا گئی تھی۔ ایڈیٹ صاحب تلملا گئے۔

”اب روٹنا شروع کر دو گی۔ کیا مہیبت ہے۔ تم سب مجھے پاگل بنا دو گے۔“

”دشمن میں آپ کے پاگل“ ایڈیٹرائٹ نے پلوئے نکھیں پوچھتے ہوئے کہا ”میں تو جب بھی دکھتی ہوں آپ تنھے سے تنھے ہی سے پیش آتے ہیں۔ اس کا دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔“
یہ کہتے ہوئے انھوں نے بڑے پیار سے میرے سر پر ہاتھ رکھا جی ہاں وہ اس جانب کو ”نکھا“ ہی کہا کرتی ہیں۔ ایڈیٹ صاحب نے بڑے ناؤ میں اکر کہا:-

”یہ نکھا جس قدر آفت کا پر کالہ ہے تمہارے فرشتے بھی نہیں جان سکتے۔“

”کیوں ہوتا آفت کا پر کالہ۔ کوئی آج کل کا سا بہنوئی مل جاتا تب آپ کو بنا چلتا کہ۔۔۔“

”بس بند کرو خدا کے لئے بند کرو۔“
وہ پیر تنھے کمرے میں چلے گئے اور ایڈیٹرائٹ نے میری پیٹھ پر ہاتھ بھینٹے ہوئے کہا:-

”نہیں چلے تو عکسین مرمت ہو۔ ان کی تو ایسی ہی باتیں ہیں۔“
مازندرہ صحبت باقی

انہرہ۔ مولانا ابوالکلام آزاد
چھ آنے
تفسیر سورہ وائین

حیات شیخ الاسلام ابن تیمیہ
کی مبنی بہا عربی تصنیف کا تفسیر اردو ترجمہ۔ امام ابن تیمیہ پر سب جامع مکتوب اور سیر حاصل کتاب۔ ضخیم اردو مکتب۔ قیمت جلد ایکسٹن روپے۔

رسائل و مسائل
گونا گوں دینی و علمی سوالات کے موردی وقتاً فوقتاً دیتے رہے ہیں ان کے مجموعے کا نام رسائل و مسائل ہے۔ مکتبہ رسی زور استبدالی، نعم و بصیرت، تدبر و تفکر اور فصاحت و بلاغت کا مجموعہ۔ مکمل دو حصے۔ قیمت بارہ روپے

تذکرہ مجدد الف ثانی
حضرت مجدد نے کن حالات میں کس حیرتناک یا مردی سے کس نوع کا کارنامہ تجدید انجام دیا۔ اس بارے میں نہایت مفصل اور پلندہ پایہ کتاب۔ بہت دلچسپ اور دلنشین۔ جلد چار روپے

فاسلابی
تالیف:- عباس محمود (مصر)
ترجمہ:- رئیس احمد جعفری۔
معلم ثانی۔ حکیم ابو نصر فارابی کے تفصیل و کمال شخصیت حالات و سوانح علمی مقام اور تجدید فلسفہ و منطق کے مفصل اور سند حالات۔ قیمت ایک روپے بارہ آنے

کلیات جگر

شہنشاہ المتقرین حضرت جگر مراد آبادی علیہ الرحمہ کا مجموعہ کلام۔ شریاح احمد صدیقی کے پیش لفظ کے ساتھ۔ چھ روپے۔

ڈاکٹر اقبال کی از معان حجاز
جی بی ایڈیشن۔ ساڑھے تین روپے

شرح بانگ درا
شرح بان جبریل
کلیات اقبال
کلیات حالی

نور روپے
نور روپے
چھ روپے
پانچ روپے

مکتبہ تجلی دیوبند (یو۔ پی)

جہللام کا فاتحہ

انہما۔ مولانا عبد الرؤف رحمانی

اعلام

کہ خلیفہ بنا یا ہے خدا کو کیا جواب دیجئے گا فرمایا میں اللہ تعالیٰ سے کہوں گا استخلفت خیر خلقک (الاختصاص للشاطی جلد ثالث ص ۱۳) کہ خدا یا میں نے تیری مخلوق میں جو سب سے بہتر تھا اسے خلیفہ بنا یا ہے۔ حضرت ابو بکرؓ کا حسن ظن درست ثابت ہوا بلاشبہ حضرت عمرؓ خلافت کیلئے سراپا برکت و رحمت ثابت ہوئے۔

بیت المال میں سب کے حقوق برابر ہیں

مسلمانوں کے بیت المال میں سب کے حقوق یکساں تھے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں کس قدر حق تھا وہ سب حسب ذیل روایت سے ظاہر ہے۔

(۱) ایک دفعہ کچھ اونٹ مارا، قرہ کے آپکے حملے گزرنے فرمایا اس اونٹ کے پہلو میں جو یہ تھوڑا سا مال ہے میں کسی مسلمان کے مقابلے میں اتنے کا بھی زیادہ حق دار نہیں ہوں (مسند احمد جلد اول ص ۵۵)

(۲) اسی طرح حضرت عمرؓ نے تین بار قسم کھا کر فرمایا کہ کوئی شخص اس مال کا کسی سے زیادہ حق دار نہیں ہے اور خدا کی قسم میں خود کسی سے زیادہ حق دار نہیں ہوں۔ مسلمان کا ایک ایک فرد اس مال میں کیسا ہی حق ہے (مسند احمد جلد اول ص ۵۵)

علامہ ابن عبد البرؒ لکھتے ہیں۔ وانزل نفسه من مال اللہ بمنزلة من جمل من الناس (استیعاب جلد اول ص ۱۰۰) یعنی اپنا حصہ بیت المال میں عام انسانوں کی طرح رکھا۔

جب حضرت ابو بکرؓ نے فاروق اعظمؓ کو خلیفہ نامزد کیا تو حضرت عمرؓ نے سرایا لا حاجة لی بھا تجھے خلافت کی ضرورت نہیں تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا و لکن بھا ایلیک حاجة یعنی تم کو خلافت کی حاجت نہ ہونے سے یہی لیکر خود خلافت کو تمہاری حاجت ہے۔ اس کے بعد کیا خوب فرمایا واللہ ما جوتک بھا و لکن جوتھا لک یعنی خدا کی قسم میں نے تم کو خلافت نہیں دی، بلکہ خلافت کو تمہیں دیا ہے۔ بلاشبہ خلافت و امارت کے لئے ذاتِ شادوقی ایک عطیہ اور ایک نعمتِ عظمیٰ ثابت ہوئی (الامامة والسياسة سيرت عمر بن الخطاب لابن الجوزي ص ۵)

ہمہ خرابان عالم دارند یور با بیارانشد
تو سبیں تن چنان برتی کہ ز یور با بیارانی

اسی لئے علامہ تاج نے یہ فیصلہ کیلئے کہ حضرت ابو بکرؓ کے حسنات میں اس سبکی کا بھی اضافہ کرنا ضروری ہے کہ انھوں نے عمرؓ جیسی جامع الحما سنستی کو امت پر خلافت کیلئے نامزد فرما دیا قالوا انما هم شر حسنة من حسنات ابی بکرؓ (سيرت عمر بن الخطاب لابن الجوزي ص ۵)

حضرت ابو بکرؓ کی نظر میں خلافتِ فاروقی کی جو وقعت تھی وہ اس تاریخی واقعہ سے بھی ظاہر ہے کہ جب کچھ لوگوں نے حضرت ابو بکرؓ سے کہا کہ آپ نے ایک سخت گیر آدمی

ایک مشک کھول کر تھوڑا سا شہد لادو جب شہد تقسیم ہونے لگے تو میرے حصہ میں اتنا وضع کر لینا۔ قہر کو کوئی مضائقہ نہ معلوم ہوا اور اس نے تھوڑا سا شہد وزن کر کے دیدیا۔ تھوڑی دیر میں امیر المومنین حضرت علیؑ نے شہد تقسیم کرنے کے لئے مشکیں منگوائیں تو ایک مشک میں شہد کچھ کم معلوم ہوا آئے قہر سے وجہ دریافت کی۔ اس نے کہا صاحبزادے حسنؑ کے یہاں بھان آئے ہوتے تھے انھوں نے تھوڑا سا شہد اس شرط پر منگوایا تھا کہ جب تقسیم ہونے لگے تو ان کے حصہ سے اتنا شہد لے لیا جائے۔

پس جبکہ حضرت امیر المومنینؑ نہایت خفا ہوئے۔ اپنے حکم دیا کہ حسنؑ فوراً حاضر کئے جائیں۔ امام حسنؑ حاضر ہوئے حضرت امیر المومنینؑ نے اظہارِ خفگی کرتے ہوئے پوچھا تمہیں بیت المال کی چیز لینے کی جرأت کیسے ہوئی امام حسنؑ نے عرض کیا جرأت تو نہ ہوئی مگر صرف اس خیال سے کہ شہد میں میرا بھی حصہ ہے تھوڑا سا اس شرط پر منگوایا تھا کہ تقسیم کرتے وقت اتنا ہی واپس کر دوں گا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا یاں یہ صحیح ہے کہ شہد میں تمہارا بھی حق ہے مگر تقسیم ہونے سے قبل تمہیں اپنا حصہ لینے کا کیا حق تھا۔ اس سوال پر حضرت امام حسنؑ خفا موش ہو گئے۔ امیر المومنینؑ نے فوراً شہد واپس لانے کا حکم دیا۔ حضرت امام حسنؑ نے فوراً شہد واپس لاکر بیت المال میں داخل کر دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ادنیٰ لحاظ بھی جائز نہ تھا۔ تقسیم سے قبل شہد واپس لے لیا گیا اور ہمانوں کو شہد کھانا نصیب نہ ہوا۔

(۱۱) حضرت علیؑ کے پاس اصغرؑ سے کچھ مال غنیمت آیا۔ تحقیق پر اس کے حصہ تقسیم ہونے لگے تو اس میں ایک عمدہ روغنِ رومی بھی نکلی تو اس کے بھی ٹکڑے کئے اور برابر برابر صعب کے حصوں پر رکھ دیا۔ نہ تو خود لیا نہ اقربا کو دیا نہ کسی کے حصہ میں کم دینا کیا راضی بجا ہوا۔

(۱۲) حضرت امیر المومنینؑ حضرت علیؑ کے عہدِ خلافت میں موتیوں کا ایک ہار آیا اور بیت المال میں داخل کر لیا گیا اس کی خبر آپ کی صاحبزادی کو ہوئی۔ صاحبزادی نے

عید کے ایک روز قبل بیت المال کے انصر کے پاس کہا بھیجا کہ کل عید سے تمام عورتیں اچھے اچھے لباس اور زیور سے آراستہ ہوں گی، لیکن میرے پاس کوئی زیور نہیں ہے بیت المال میں جو موتیوں کا ہار آیا ہے اسے تم مجھے دیدو تاکہ میں اس موقع پر اسے پہن لوں عید کے بعد نہایت احتیاط سے واپس کر دوں گی۔ بیت المال کے انصر نے جواب دیا کہ میں صرف تین دن کے لئے یہ ہار دے سکتا ہوں صاحبزادی راضی ہو گئیں اور تین دن کے وعدے پر انصر نے ہار مجھ دیا عید کے دن اس ہار کو پہنا۔ اتفاقاً حضرت علیؑ کرم اللہ وجہہ کی نظر اس ہار پر پڑی آپ نے فوراً پہچان لیا اور دریافت کیا کہ یہ ہار تمہیں کہاں سے ملا ہے؟ صاحبزادی نے عرض کیا یہ ہار بیت المال کا ہے۔ میں نے بیت المال کے انصر سے تین دن کے لئے لیا ہے کل واپس کر دوں گی۔ یہ سننے پر امیر المومنینؑ نے بیت المال کے انصر کو طلب کیا۔ جب حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ تم مسلمانوں کی امانت میں خیانت کرتے ہو انصر نے کہا خدا کی پناہ میں اور مسلمانوں کی امانت میں خیانت کروں یہ کیونکر ممکن ہے۔ میں نے ہرگز ایسا نہیں کیا۔ امیر المومنینؑ نے کہا تم نے بغیر میری اجازت کے یہ موتیوں کا ہار میری بیٹی کو کیوں دیا؟ انصر نے کہا چونکہ صاحبزادی نے طلب فرمایا تھا اور وہ بھی تین دن کے وعدے پر اس لئے دے دیا ورنہ ہرگز نہ دیتا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا تم نے فطی کی۔ تمہیں مسلمانوں کی رضامندی کے بغیر ایسا کرنا کسی طرح جائز نہ تھا۔ فوراً ہار بیکر بیت المال میں داخل کر دو۔ میں اپنی لڑکی سے سخت ناراض ہوں۔ اگر اس نے تین دن کے وعدے پر نہ لیا ہوتا تو میں اسے چوری کے جرم میں مارتا دیکر کے سخت سزا دیتا۔ بیت المال کے انصر نے اسی وقت صاحبزادی سے ہار طلب کیا، صاحبزادی امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عادت کے طور پر دن بھر کی اجازت چاہی۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا بیٹی کیا تم اپنے نفس کی خاطر انصاف کا خون کرنا چاہتی ہو؟ کیا تمام مسلمانوں کی لڑکیاں آج زیور سے

آراستہ ہوں گی۔ صاحبزادی خاموش ہو گئیں اور ہاتھوں میں
 کے خنجر کو واپس کر دیا۔ خنجر کے پورے آٹھ ایک بطور رعایت
 بھی ان کو اپنے پاس رکھنا نصیب نہ ہوا۔

(۱۳) حضرت علیؓ بیت المال کا مال سب کو برابر تقسیم کرتے
 تھے۔ ایک شخص نے کچھ زیادہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا۔ ائمال المال
 مال و اللہ و ان اعطاء المال فی غیر حقہ تبذیر و
 و الا صراف و نبح اسلافہ جلد ثانی ص ۱۰۰ یعنی یہ مال اللہ کا
 مال ہے کسی کو بلا حق کے زیادہ دیدینا اسراف و تبذیر ہے
 جس کی شریعت میں اجازت نہیں۔ اسی طرح خلیفہ عمر بن عبدالعزیز
 کی ریاست داری کی بابت صاحب طبقات نے لکھا ہے کہ
 راست میں حکومت کا کام کرتے تو حکومت کی شمع استعمال کرتے
 اور اگر اس وقت کسی ذاتی ضرورت کے لئے لکھنا ہوتا تو اپنا
 ذاتی شعبہ ان جلا کر اس کی روشنی میں لکھتے۔ بیت المال کے

جراغے سے کبھی ایک حرف بھی اپنے ذاتی کام کے لئے نہیں لکھا
 والبدایہ والنہایہ جلد ۲ ص ۱۰۰ و طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۰۰
 (۱۴) اسی طرح مشاہیر خزانے میں معائنہ کے وقت مشک
 کا ڈبہ کھولا گیا تو آپ نے معائنہ تو فرمایا لیکن ناک کو فوراً بند
 کر لیا کسی نے کہا حضرت یہ کیا بات ہے۔ فرمایا مجھے عام مسلمانوں
 سے زیادہ خوشبو سونگھنے کا حق ہی کیا ہے۔ لوگوں نے کہا حضرت
 یہ تصرف کہاں ہو گا اس کی خوشبو ناک میں خود بخود آجاتی ہے
 سنہ ۱۰۰ مشک میں بجز خوشبو کے ہونا ہی کیا ہے۔ (البدایہ
 والنہایہ جلد ۲ ص ۱۰۰ و طبقات ابن سعد جلد ۱ ص ۱۰۰
 و سیرۃ عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۰ و تہذیب الامم جلد ثانی ص ۱۰۰)

دیا جاتی ہے کہ مشک کے خواص و منافع اور اسکے استعمال
 کے اثرات و فوائد ہی مشک کو ایک بڑی قیمت کی چیز بناتی
 ہے، لیکن اس کا استعمال تو کبھی صرف اس کا سونگھنا جن خلفاء
 کو بیت المال میں تصرف نظر آیا ہوا اور انھوں نے اس سے بچنے
 سے سبوری نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ عمدہ ترین مشک کا ہونا
 ہے کہ وہاں ہرن سبیل الطیب بچتا ہے اور چین کا مشک اچھا نہیں ہوتا
 وہاں کا ہرن گھاس بھوس بچتا ہے۔ پھر ان میں سے بہترین مشک ہونا
 جو بالغ ہرن کے ناف سے نکالا جائے۔ (درج الذہب جلد اول ص ۱۰۰)

کے لئے اپنی ناک بند کر لی ہو، ان کی امانت و دیانت ہر توصیف
 سے بے نیاز ہے۔

(۱۵) ایک دفعہ آپ کے سونے کے عنبر معائنے کے لئے لایا گیا ہے
 ہاتھ سے چھو کر ٹھوٹا پھر اس کے فروخت کرنے کا حکم دیا پھر اپنے
 ہاتھ کو ناک پر رکھا تو خوشبو آ رہی تھی، فوراً پانی منگو کر اچھی طرح
 ہاتھ کو اتنا دھوا کہ خوشبو نکل گئی (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۰)
 (۱۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس بہترین پھل تازہ
 کھجوروں کی پھلیاں بطور تحفہ امیر اردن کی طرف سے آئیں
 پوچھا یہ کتنے کس ذریعے سے یہاں تک پہنچے بتایا گیا مگر وہی
 ڈاک کے گھوڑے آ رہے تھے پس اسی پر آگئے ہیں۔ سنہ ۱۰۰
 سرکاری ڈاک کے گھوڑے تو بیت المال کے ہیں ان سے تمام
 پبلک کا تعلق ہے لہذا ان پھلیوں کو بازار میں بیچ کر اس کی
 قیمت المال میں داخل کروا دو اس سے ڈاک کے گھوڑے کو
 دانہ چارہ دو (سیرت عمر بن عبدالعزیز ص ۱۰۰) جانوروں کے
 ساتھ حسن سلوک کا یہ سبق دراصل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
 ہی کا دیا ہوا ہے۔ امام مالک نے نقل کیا ہے کہ ایک روز
 صحابہ کرام نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھوڑے
 کا چہرہ خود ہی اپنی چادر مبارک سے صاف کر رہے ہیں۔ آپ
 سے صحابہ نے سوال کیا تو فرمایا مجھے گھوڑوں کی اچھی طرح تربیت
 نگہداشت کے بارے میں خاص طور سے ہدایت کی گئی ہے۔
 (موطا امام مالک جلد ثانی ص ۱۰۰)

خلفائے راشدین کی سادہ زندگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کی زندگی آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ کا پر تو تھی ان کے سامنے
 آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ مبارک موجود تھا۔ مگر یہ
 چار بانی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے تھے اور تن
 مبارک پر کرسیوں کے نشانات نمایاں طور سے ظاہر ہوجاتے
 تھے۔ حضرت عمرؓ یہ نقشہ دیکھ کر آبدیدہ ہو گئے اور کہنے
 لگے قبصر و کسریٰ آرام کی زندگی گذاریں اور خدا کے رسولؐ آنحضرت
 صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح حضرت اور زندگی سے گذر لیں۔

اس سے کھی اور شکر وغیرہ کے لئے تھوڑی سی رقم بچائی جب
 صدیق اکبر کے سامنے وہ رقم پیش ہوئی تو فرمایا یہ پیسہ کہاں
 سے آیا؟ انھوں نے اپنی روزمرہ کی کفالت و بچت کا
 ذکر فرمایا آپ نے وہ رقم ان سے لے لی اور بیت المال
 کے خزانچی کے پاس لے جا کر کہا خدا ایفضل عن
 قوتنا اس قدر رقم ہمارے خرچ سے زیادہ ہے اسے
 بیت المال میں داخل کر دو اور ایک چٹائی کے معتدار
 ہمارے وظیفہ میں سے کم کر دو۔ (اشہر مشاہیر الاسلام
 سعودی نے اپنی تاریخ میں نقل کیا ہے کہ حضرت
 ابو بکر کے کھانے میں جس قدر خشونت تھی اور جس طرح موٹا
 چھوٹا کھاتے تھے اسی طرح لباس بھی بے حد معمولی اور
 موٹے چھوٹے کپڑے کا ہوتا۔ حالانکہ ذاتی آمدنی بھی حضرت ابو بکر
 کے پاس کم نہ تھی، لیکن تواضع انداز کی پسند تھی آپ ہی کے

طرز پر تمام اجاد اصحاب حضرت عمرؓ وغیرہ بھی تھے۔ آپ نے
 عید خلافت میں بھی ایسے ہی موٹے اور معمولی لباس میں زندگی
 گزار دی۔ عرب کے امراء اور عین کے بادشاہ آپ کے ملنے آتے
 تو بہترین محلے منقش سنہری ٹوٹیوں کی چادریں اور زرنگار تاج
 پہن کر آتے۔ یہ لوگ آپ کی سادگی اور معمولی لباس کو دیکھ کر
 حیرت زدہ رہ جاتے اور متاثر اس قدر ہوتے کہ وہی سادگی
 کو خیر بھی اختیار کر لیتے۔ حمیر کا بادشاہ دو الکلاخ طے شاہانہ
 جلدت ٹھاٹ باٹ پیر تکلف لباس میں حضرت ابو بکر کے پاس
 آیا شاہی امراء کے علاوہ ایک ہزار غلام خدمت کے لئے
 اس کے ساتھ تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کی سادگی کو دیکھ کر
 عرش عرش کرنے لگا۔ تمام شاہی لباس اتار کر حضرت ابو بکر کے
 رنگ میں رنگ لیا۔ (مرآۃ الذهب للسعودی جلد ثانی صفحہ
 (باقی باقی)

داشم شاہ شہیر الاسلام جلد اول ص ۱۲۳

تفسیر عالم التنزیل

(نایاب دستنہ)

مع خوشی و اضافات

جمہلہ تقاسم اور کاجوڑ۔ ترجمہ، ستائیس اور ۴۴ فرہم معرفہ مفید تشبیحات
 محی اشته امام ابی حمزہ بغوی مصری کی یہ شہرہ آفاق تفسیر صدیوں سے تمام علمائے کرام کے نزدیک مفید اور مستند تفسیر سمجھی گئی ہے
 پانچویں صدی ہجری سے آج تک کی کوئی تفسیر قرآن اس تفسیر کے حوالے سے خالی نہیں۔ حضرت مولانا حفصہ الرحمن صاحب ناظم جمعیت علماء ہند
 مولانا سعید احمد اکبر آبادی صدیقہ اسلامیات مسلم یونیورسٹی علی گڑھ۔ اور مولانا مفتی عتیق الرحمن صاحب عثمانی اور دیگر علماء کرام
 نے اس اہم تفسیر کو اردو زبان میں شائع کرنے اظہار سرت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ ترجمہ نہایت سلیس اور شگفتہ ہے۔

طریقہ اشاعت

ہر ماہ ایک پارہ (ستون صفحے) سائز ۱۰×۱۰ کاغذ نہایت نفیس چمکا۔ کتابت و طباعت عمدہ
 قیمت فی جلد دو روپے (علاوہ محصول ڈاک)

جو حضرات ایک روپیہ نہیں تیسری ارسال فرما دیں گے ان کو پوری تفسیر مبلغ ایک روپیہ چار آنے فی جلد کے حساب سے
 دی جائے گی (محصول علاوہ) اس طرح نمبر ان کی خدمت میں ہر ماہ مع محصول ڈاک دو روپے کی دی۔ پی کی
 جائے گی۔ اگر پانچ دوست ایک جگہ پانچ یا بے سنگا میں گے تو ان کو مع محصول ڈاک بجائے دس روپے کے صرف آٹھ روپے کی رعایت
 دی۔ پی ارسال ہوگی (آج ہی نمبر بیٹے اور نمبر نائے) غیر مالک کے احباب خط و کتابت سے تفصیلات طلب فرمائیں۔

تہ سبیل زور
 خط و کتابت کا پتہ
 میجر مکتبہ ندوۃ الفرقان یوبند
 یوبند

تاریخ اسلام کاٹل

اشرہ۔ مولنت اکبر شاہ خاں نجمی بادی

یہ تین جلدوں کی ضخیم تاریخ دنیا بھر میں مشہور ہے۔ قدیم و جدید تاریخوں کا جو مجموعہ ہے۔ اسلام کی اس سے زیادہ جامع و خالص اور نفیس تاریخ آدو میں کوئی نہیں۔ روشن کتابت، طباعت۔ سفید کاغذ، حسین کرد و پیش۔ تین جلدیں الگ الگ محبت۔ قیمت چھتیس روپے۔

مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ کے عربی سفر نامے کا شگفتہ ترجمہ۔ جناب سید احمد جعفری کے قلم سے۔

سفر نامہ ابن بطوطہ کی چند خصوصیات

(۱) دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی نہیں جس میں اس کتاب کا ترجمہ نہ ہوا ہو (۲) مشرق اور ایشیا کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں اس منجلیہ سیاح کے قدم نہ پیچھے ہوں (۳) سو زمین مغرب کے بعض مقامات کی جہو ابن بطوطہ نے تیسرا کی (۴) اور اپنے تاثرات و مشاہدات سفر پوری سچائی کے ساتھ باقی اور جرأت کے ساتھ قلم بند کر دیے۔ قیمت مجلد پندرہ روپے

فقہ الاسلام اسلامی اصول و قوانین پر ایک عظیم عربی تصنیف۔ جس کا سلیس اردو ترجمہ نہایت سلیقے سے چھپایا گیا ہے۔ یہ کتاب سات ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب میں کئی تفصیلات ہیں۔ ابواب مندرجہ ذیل مضامین پر مشتمل ہیں۔ پہلا باب:۔ اسلامی قوانین کے وہ اصول جن پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور جن کے ذریعے تفصیلی احکام معلوم کئے جاتے ہیں۔ دوسرا باب:۔ وہ اصول اور شرعی دلائل جنکے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ تیسرا باب:۔ شرعی احکام میں علماء کے اختلاف کے اسباب۔ چوتھا باب:۔ اسلامی فقہی قواعد۔ پانچواں باب:۔ اسلامی شریعت کی خوبیاں اور محاسن۔ چھٹا باب:۔ اسلامی قوانین سازی میں اجتہاد کی آزادی۔ ساتواں باب:۔ اسلامی شریعت کے بارے میں جدید بحث و تحقیقات اور اس کا مغربی قوانین سے مقابلہ اور جدید تقاضوں کے مطابق اسلامی شریعت کی اصلاحات۔ قیمت مجلد بارہ روپے۔

فتنہ انکار حدیث کا منظر و پس منظر

مسکین حدیث کے رد میں ایک مبسوط مدلل اور دلچسپ کتاب۔ ان کے ہر ہر اختیار کا جواب ان کے افکار کی پوست کندہ حقیقت اور ان کے موقف کی لغویت کا اثبات۔ میر لطف اور دلنشین نقد۔ قیمت مکمل ستر حتمہ ساڑھے تیرہ روپے۔

اسلامی معاہدات

ازتہ مناظر حسن گیلانی۔ اسلامی علوم کی فہرست میں ایک جدید فن کا اضافہ۔ اسلام کے معاشرتی نظام کا ایک تحقیقی مرقع۔ جس نے زمین کے مسلمانوں کے قلوب کی پکار کا بروقت جواب۔ مولانا گیلانی کا مجتہدانہ کارنامہ۔ قرآنی آیتوں اور نبوی حدیثوں کے ایسے نئے تشریحی پہلو جو اس کتاب میں پہلی دفعہ پیش کئے گئے ہیں۔ قیمت مجلد بارہ روپے۔

مولانا سید سلیمان ندوی،
مکتبہ دارالعلوم دیوبند

کھکے کھولے

تبصرے کیلئے کتاب کے دو نسخے آنے ضروری ہیں

شائع کس دن :- خواجہ خضر میجر کتب خانہ دیندار انجمن - حیدرآباد
دکن - دآندھرا پردیش

ہر فرقہ دوست فرقتے کو کافر بنا رہا ہے۔ تو
پھر مسلمان کون ہے؟ دیندار انجمن کا فیصلہ ہے کہ وہ "مسلمان" ہے
دلیل یہ ہے کہ وہ کسی مسلمان کو کافر نہیں کہتی!۔ یہاں تک انداز گفتگو
بہت مجھا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ لیکن جب کتاب کے آخر میں انجمن مذکور
اپنے عقائد کی فہرست پیش کرتی ہے تو اس کی دفعہ ۱۱ ایک
"ستم ناک لطیفہ" کی بنیاد ڈالتی ہے :-

"حضرت مولا نامہ دینی دیندار صاحب کا دعویٰ الوہیت
ہے۔۔۔۔۔ مسیحیت اور نبوت و مہدیت
نہ کبھی کیا گیا اور نہ آئندہ کیا جائے گا۔ آپ کا دعویٰ
صرف کافروں کے لئے ہے۔ مسلمانوں کے لئے آپ کا
کوئی دعویٰ نہیں۔"

گویا دیندار صاحب نے جو الوہیت - مسیحیت - نبوت اور مہدیت
کا دعویٰ کیا ہے اس کے مخالف کفار تو ہیں، مسلمان نہیں!۔
نبوت کے چھوٹے دعاوی کی حکمران تاریخ میں دنیا کا یہ آٹھواں
عروج ہے!۔ کوئی اس انجمن سے پوچھے کہ کیا اسلام کی تبلیغ کے
مقاصد میں یہ بات بھی شامل ہو سکتی ہے کہ کفار کے سامنے نبوت
کا دعویٰ کیا جائے؟ کیا محمد عربیؐ ذراہِ روحی کے ختم رسالت کے
اعنیان پر حملہ کر کے اسلام کی کوئی حقیقی خدمت کی جا سکتی ہے؟
حیرت اور ماتم کا مقام ہے کہ جب انسان کی مت ماری جاتی ہے
تو وہ کیسے کیسے صحت کے انگیزہ ماشوں کو غلامانہ سجدگی کی باتیں کر دیتا ہے

قرآن کی معنوی تخریب اور انکار کا
ازبیر غلام دستگیر صاحب
ناتی -
صفحات ۶۴

فتنہ کا سدباب

کاغذ، کتابت و طباعت عمومی اہمیت کچھ نہیں۔
ہندوستان دے محصولہ اک کے لئے ۱۹ پیسے کے ہندوستان
ٹکٹ بھیج کر منگا سکتے ہیں۔ پاکستان ولے پاکستانی ٹکٹوں کے ذریعے
ہلنے کا پتہ :- دائرۃ الاصلاح - محلہ چلہ بی بی
اندرون اکبری دروازہ - لاہور۔

منکرین حدیث اور قرآن کی من مانی تاویلات کرنے
والوں کا فتنہ ہندوستان اور پاکستان میں خطرناک ترین صورت
حالی پیدا کر رہا ہے۔ یہ لوگ قرآن کا نام لیکر اسلام کو گند پھیری
سے ذبح کر رہے ہیں۔ قرآن پاک میں لفظی تخریب تو ممکن نہ تھی
اس لئے شیطانی ذہنیت نے قرآن کے معنوں میں تخریب کا ناپاک
راستہ نکالا ہے۔ پاکستان میں یہ فتنہ بہت شدت پکڑ چکا ہے
اور اس کے سرخیں مسٹر غلام احمد پریز ہیں۔ اس مختصر کتاب میں
مصنف نے بڑے درد و کادش کے ساتھ اس تحریک کی قلعی کھولنے
کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ کتاب کا اسلوب علمی کم اور درد مندانہ زیادہ
ہے۔ تاہم عوام کو اس فتنے کے نشیب و فراز سے آگاہ کرنے کے لئے
اس کا مواد کافی ہے۔

اب تو ہی بتا تیرا مسلمان کہ دھرجائے

ہر تہا :- سعید بن وحید - بی۔ اے - علیگ۔

درحقیقت امت کی بڑی نصیبی ہے کہ اگر کوئی شخص واقعی اصلاح کا درد لے کر بھی اٹھنا ہے تو گمراہی اور کجروی کی پست دلدل میں دھنس کر رہ جاتا ہے۔ خدا ہم پر رحم فرمائے!۔

سنت (قرآن حکیم کی روشنی میں)

۱۔ جناب عبدالغفار صاحب۔

صفحات ۲۰۔ قیمت درج نہیں۔

شائع کردہ:۔ شعبہ نشر و اشاعت جامعہ تعلیمات

اسلامیہ۔ ع جناح کالونی۔ لائل پور۔

انکا حدیث کے فتنے کے جواب میں یہ مقالہ ترجمان القرآن لاہور اور مقام رسالت کراچی میں ۵۵ شمارے میں شائع ہوا تھا۔ اب ضروری حذف و اضافہ کے ساتھ کتابچہ کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ منکرین حدیث جو نکر اسلام کو خدا کی کتاب ہی سے سمجھتے اور سمجھانے کا ڈھونڈ رہا ہے، اس لئے اس مقالے میں اس بات کی سخت کوشش کی گئی ہے کہ "سنت" کی اہمیت و عظمت کو کتاب اللہ کی روشنی میں ثابت کیا جائے۔ کاغذ اور کتابت و طباعت کا اہتمام نہیں کیا گیا۔ اتنے ذریعہ موضوع کا تقاضا تھا کہ اسکا ظاہری روپ بھی شایان شان ہو۔ بہر حال کتاب لائق مطالعہ ہے۔

۱۔ "میں نے مرزا نیت کیوں چھوڑی؟"

۲۔ "خود فیصلہ کیجئے"

۳۔ "دعوتِ مہاہلہ"

انجمن تبلیغ الاسلام: جینوٹ ضلع جھنگ۔

شعبہ نشر و اشاعت جامعہ عربیہ جینوٹ۔ ضلع

جھنگ۔ پاکستان۔

قیمت ہر ایک کتاب دو آنے۔ صفحات ۳۔

(۱) میں نے مرزا نیت کیوں چھوڑی؟۔ ایک ایسے شخص کا اعتراف اور انگشتاں حتیٰ ہے جو جامعہ احمدیہ روہ میں پیدا کشتی ستا دیا تھی کی حیثیت سے تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ وہاں اس کو موقع ملا کہ قادیانی سربراہوں کو ان کی خلوت و جلوت میں قریب دیکھے۔ اسے کیا دیکھا

کہ مرزا نیت کے عقیدے پر نفرت سے ٹھوکر ماردی ہے اس مختصر ٹریکٹ میں اس بارے میں مزہ خیز انگشتاں کئے گئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ مرزا محمود خلیفہ قادیانی سے لیکر ان کے حواریوں کی مخصوص صفوں تک بدرکاری، فحاشی اور بدترین جنسی عیاشیوں کی گرم بازاری ہے۔

(۲)۔ "خود فیصلہ کیجئے" نامی مختصر مضمون صفحہ ۱۱ ٹریکٹ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی تہذیب و شائستگی کے نادر نمونے جو مرقع گالیوں، دردغ بافیوں اور حقیقت گش حرکتوں پر مشتمل ہیں پیش کئے گئے ہیں۔ ہر اقتباس مع حوالہ دیا گیا ہے۔ ان نمونوں کو دیکھ کر آدمی کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ یہ انداز گفتگو کیا ہے؟..... نبوت کا دعویٰ اور یہ ریکارڈ بازاری انداز سخن! مگر کتنے ہی ہوش مند انسان ہیں جو ایسے شخص کو نبوت کے مقام پر قائم تسلیم کرتے ہیں!۔ صیہات!۔ صیہات!۔

تیسرا ٹریکٹ "دعوتِ مہاہلہ کا آخری حلیہ" جامعہ عربیہ جینوٹ کے پرنسپل جناب منظور احمد کے قلم سے ہے جس میں مصنف نے بتایا ہے کہ کس طرح انھوں نے مرزا اٹھو کو ختم نبوت کے مسئلے اور مرزا غلام احمد کے دعویٰ نبوت کے باب میں مہاہلہ کی لٹکار دی تھی۔ لیکن کس طرح قادیانیت کے سربراہوں نے چپ سادھ لٹا اور مہاہلہ کا خطرہ مول لینے سے خاموش انکار کر کے گویا اس حقیقت کا پردہ فاش کر دیا کہ ان لوگوں کو خود بھی اس جھوٹی نبوت کا کامل یقین نہیں جس کی تبلیغ کرنے کے لئے وہ خط و تر پر جال بچھا رہے ہیں۔ تینوں ٹریکٹ حقیقت پسندانہ کاوشوں کے سیدھے سادے نمونے ہیں۔ جن میں علمی استدلال کے بجائے خالص قشوس واقعات کی زبان میں قادیانیت کا جھوٹ دو اور دو چار کی طرح ثابت کیا گیا ہے۔ جو لوگ حقائق کو سمجھنے کی جھٹلا کھو چکے ہوں ان سے گفتگو کا یہی انداز ہا تھی رہ جاتا ہے۔ تینوں ٹریکٹ پڑھنے کے لائق ہیں۔ شاید کسی خود فریب کو ان سے ہوش آجائے!۔

درس توحید

الیوم عبداللہ سراج الدین جو دھری صاحب

کا لقب بھی ہے۔ ص ۳ پر مولانا کو حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت مولانا امین اللہ کے بعد "تیسری واحد شخصیت" کا ریکارڈ دیا گیا ہے اور کئی جگہ مرتب کے ذہن کا یہ چھکاؤ ملتا ہے کہ وہ مولانا کی قدردانی تسلیم کرنا چاہتا ہے۔ یہ انداز کچھ تزیین نہیں دینا۔ جس شخص نے اپنی للہیت کو خود نمائی اور شہیر سے آلودہ نہ ہونے دیا ہوا کے معتقدین کو اس کے اس رجحان کا ہی احترام کرتے ہوئے عقیدت کی رو میں بہہ کر ممالک آرائی سے دامن کش ہی رہنا چاہئے شخصیت خود اپنا صحیح مقام تسلیم کر لیتی ہے۔ اور غلو آمیز تعریف شخصیت کو اس کے اصل مقام سے بھی گرا دیتی ہے۔

مکاتیب حضرت مولانا شاہ محمد الیاس

۱۔ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی۔

صفحات: ۱۰۰ نا اول سائز: ۱۲۷۔

قیمت: ۱۰/ غیر مجلد ۱/ مجلد ۱/۸۔

ناشر: مکتبۃ المدینہ نئی نئی اردو۔ جامع مسجد مدینہ

اس کے خطوط کی روشنی میں کسی شخص کا مطالعہ شخصیت کا بہترین مطالعہ مانا گیا ہے۔ مولانا ابوالحسن علی صاحب نے اس کتاب میں تبلیغی جماعت کے مافی مابانی حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط جمع کر کے ایک بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

مولانا ابوالحسن علی نے کتاب کے ابتدائی حصے میں چٹیک ہی کہا ہے کہ ان خطوط کی زبان بھی "غیر مانوس" ہے اور مضامین کی سطح بھی عام فہم انداز کی نہیں۔ تاہم یہ خطوط ایک ایسے قلب روشن کی دھڑکنیں ہیں جس کی گہرائیوں میں اشاعت دین کا جذبہ ایک جذبہ سیکڑا کی شکل میں طوفانی تلاطم برپا کئے ہوئے تھا "تبلیغ" جس کا میدان عرصہ سے اہل مسلم نے چھوڑ دیا اس انسان کے سینے میں جذبات دینی کا ایک طوفان اٹھائے ہوئے تھی جس کا نام "محمد الیاس" تھا۔ خطوط کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ ان محسوس میں اس قدر عظمت کے باوجود کتنی سادگی کیسا عجز و انکسار اور کس قدر غلبہ عبودیت تھا۔ قدم قدم پر اسلام کی ترویجی ہوئی محبت اور نضائی حیلوں کی طرف سے پناہ و اعانتا

ملتی ہے۔ اس "عباد" کے جذبات میں نہیں بھی خود پر غصہ بیت اور دھڑلے بازی کا رجحان دور دور تک نہیں لیکن افسوس کہ تبلیغی مشن میں ہی بے لوث اور سر فرودش لگنے کم سے کم ہوتی جا رہی ہے اور لوگ مولانا کے مرحوم کے ان کو کھجول رہے ہیں کہ:-

"ہماری تحریک اور اسلامی تبلیغ نہ کسی کی دل آزاری کو پسند کرتی ہے۔ اور نہ کسی فتنہ و فساد کے الفاظ سننا چاہتی ہے۔ آئندہ سے ایسے الفاظ سے احتراز چاہئے جو اشتعال انگیز، فتنہ خیز ہوں بلکہ اس قسم کے بیہم الفاظ لکھنے چاہئیں جس سے کسی خاص فرقے اور جماعت پر طعن نہ ہو۔ ص ۱۲۵"

کاش یہ جذبہ تبلیغ و اشاعت دین کی صفوں میں عام ہوں اور مقصدی اتحاد کا شعور وسطی اختلافات کی تبلیغ کو پاٹ دین کے درد مندوں کو "بنیان مہموں" اور "مضبوط" میں تبدیل کر دے۔ ان خطوط میں تبلیغ کی آبیاری کا بھی سامان ہے اور ترمیم و اصلاح کی نازک گام کے لئے بھی رہنمائی اور روشنی موجود ہے۔ گویا یہ کتاب اللہ اور اجتماعی دونوں لحاظ سے مفید ہے۔

تدوین حدیث

مولانا امین اللہ احسن گیلانی کی شہرہ آفاق کتاب کے چھ کچھ نسخے بیتر آگئے ہیں کی شرعی حقیقت، اہمیت و ضرورت، تدوین و حفاظت اور حیا و رد و قبول سے تعلق جملہ مباحث پر مدلل گفتگو۔ شک و شبہات کا ازالہ۔ قیمت سات روپے۔

رکعات التراويح

مولانا حبیب الرحمن الاخطی کی دینی کتاب۔ اس کے رد و کتاب "انوار مصباح" لکھی گئی تھی۔ اس کا جواب بھی اس ایڈیشن میں شامل ہے۔ ہمیں رکعات تراویح کی تائید اس کتاب کا مطالعہ از بسکہ ضروری ہے۔ قیمت ڈھائی روپے۔ محمد سائز میں تین روپے

مکتبہ تجلی دیوبند